اکتوبر ۱۹۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم





جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے



الفرقان

(۱) فضائلِ قرآن مجید بیان کرنے والا (۲) غیر مسلموں یعنی آریوں، عیسائیوں اور بہائیوں کے قرآن مجید پر اعتراضات کا جواب دیکر انہیں دعوتِ اسلام دینے والا — (۳) باشندگانِ پاکستان کو عربی زبان سکھانے والا (۴) مستشرقین کے خیالات پر تحقیقی تبصرہ کرنے والا ماہنامہ!

ایڈیٹر
ابو العطاء الجالندھری
سابق ایڈیٹر رسالہ عربی "البشریٰ" فلسطین

احمد نگر۔ ربوہ۔ ضلع جھنگ
پاکستان

حقانی روحانیت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف خدا کا کلام ہے!

کیا انسانی خیالات میں کوئی ایسی طاقت بھی موجود ہے - کہ جو خداتعالیٰ کے علم اور قوت سے برابر ہوسکے - کیا خدا کے پاک انوار جو روح پر اثر ڈال سکتے ہیں - اور عمیق شکوک سے نجات بخش سکتے ہیں یہ بات خدا کے غیر کو بھی حاصل ہے - ہرگز نہیں - بلکہ ایسے دھوکے ان لوگوں کو لگے ہوئے ہیں - جنہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہماری حقیقی نجات کس درجہ عرفان پر موقوف ہے - اور طاقت الٰہی ہماری روح پر کہاں تک کام کر سکتی ہے - اور خدا کے بیغایت فضل سے کس درجہ قربت اور شناخت پر ہم پہنچ سکتے ہیں - اور وہ کس درجہ تک ہمارے آگے سے حجاب اٹھا سکتا ہے - انکی معرفت صرف ناکارہ وہموں تک ختم ہے - اور جو معرفت یقینی اور قطعی اور انسان کی نجات کیلئے از بس ضروری ہے - وہ انکی عقل عجیب کے نزدیک محال اور ممتنع ہے - لیکن جاننا چاہئے کہ یہ انکی سخت غلطی ہے - کہ جو عقلی خیالات پر قناعت کر رہے ہیں - حقانی معرفت کی راہ میں بے شمار راز ہیں - جنکو انسان کی کمزور اور دود آمیز عقل دریافت نہیں کرسکتی - اور قیاسی طاقت بباعث اپنی نہایت ضعف کی الوہیت کے بلند اسرار تک ہرگز پہنچ نہیں سکتی - اور اس بلندی تک پہنچنے کے لیے بجز خدا کے عالی کلام کے اور کوئی زینہ نہیں - جو شخص دلی سچائی سے خدا کا طالب ہے - اسکو اسی زینے کی حاجت پڑتی ہے اور تا وقتیکہ وہ محکم اور بلند زینہ اپنی ترقیات کا ذریعہ نہ ٹھیرا یا جاوے تب تک انسان حقانی معرفت کے بلند مینار تک ہرگز پہنچ نہیں سکتا - بلکہ ایسے تاریک اور پر ظلمت خیالات میں گرفتار رہتا ہے کہ جو غیر تسلی بخش اور بعید از حقیقت ہیں اور بباعث فقدان اس حقانی معرفت کے اسکے سب معلومات بھی ناقص اور ادھورے رہتے ہیں - اور جیسی سوئی بغیر دھاگہ کے نکمی اور ناکارہ ہے اور کوئی کام سینے کا اس سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا - اسی طرح عقلی فلسفہ بغیر تائید خدا کی کلام کے نہایت متزلزل اور غیر مستحکم اور بے ثبات اور بے بنیاد ہے -

پائے استدلالیاں چوبیں بود　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

براہین احمدیہ حصہ چہارم ۵۶۰ — ۵۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان

جلد ۳ نمبر ۹ | صفر المظفر ۱۳۷۲ھ | ماہ اکتوبر ۱۹۵۳ء

فہرست مضامین

الفرقان کا "قرآن نمبر"

رسالہ الفرقان کے قرآن نمبر کی ترتیب شروع ہے۔ یہ رسالہ ماہ دسمبر ۵۳ء میں شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامع مضامین پر مشتمل شمارہ ہوگا۔ احباب مطلع فرما دیں کہ وہ اسکی کس قدر زائد کاپیاں خریدینگے۔ اس رسالہ کے پورے یکصد صفحات ہوں گے۔ فی کاپی ایک روپیہ قیمت ہوگی۔ پانچ کاپیوں کے لئے چار روپے کا منی آرڈر بھجوا دیں۔ زیادہ خریدنے والے اصحاب کو خاص رعایت ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ قرآنی علوم کی اشاعت کثرت سے ہو۔ احباب سے تعاون کی درخواست ہے

مینجر الفرقان

ربوہ

"طلوع اسلام" کے اعتراضات کے جواب

(الفرقان کا ماہ نومبر کا شمارہ ملاحظہ فرمائیے)

منکرین حدیث کے رسالہ "طلوع اسلام" نے "نقد و نظر" کے زیر عنوان مکرم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ایک پرانے مضمون "ایک عزیز کے نام خط" پر تبصرہ کیا ہے یہ تبصرہ "طلوع اسلام" کے ماہ اکتوبر ۱۹۵۳ء کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ رسالہ الفرقان اپنی آئندہ اشاعت (ماہ نومبر ۱۹۵۳ء) میں اس تبصرہ کا مفصل جواب شائع کرے گا۔ انشاء اللہ

جو لوگ "طلوع اسلام" کا مطالعہ کرتے ہیں امید ہے کہ وہ اسکے اعتراضات کے جوابات کو بھی پوری توجہ اور شوق سے مطالعہ کریں گے۔

(ایڈیٹر)

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا)

شذرات

قرآن مجید کے معانی کی وسعت اور اُس کی صحت کا معیار

ابتدائے آفرینش سے اسی زمین اور اسی آسمان سے انسان کی سب ضرورتیں پوری ہوتی رہی ہیں۔ سمندر کی موجوں کے تلاطم کی طرح انسانی آبادی میں تموج پیدا ہوتا رہا ہے۔ نسلِ آدم اپنی فکری بلند پروازی میں دور تک وسعت اختیار کرتی رہی مگر ان تمام حالات میں انسان کی تمدنی اور معاشی مشکلات کا حل اسی خطۂ ارضی کے ذریعہ ہوتا رہا۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے، کہ انسانوں کی تمام روحانی اور دینی ضرورتوں کا حل میرے پاس موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس جامع اور بے مثل کتاب میں انسانوں کی تمام الجھنوں کا علاج اور اُن کی تمام امراض کا مداوا رکھ دیا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ کہ تمام چھوٹے اور بڑے مل کر بھی قرآنی تعلیمات ایسی تعلیم پیش نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید کا یہ دعویٰ قریباً ڈیڑھ ہزار برس سے امتحان کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے اور آج تک کے دور میں تمام حقائق پسند انسان اقرار کرتے آئے ہیں، کہ دُنیا کو ہر مشکل کے حل کے لئے آخر کار وہی طریق کار اختیار کرنا پڑا جو قرآن مجید نے بتایا تھا۔ لیکن کچھ لوگ آئندہ کے لئے اس بارے میں شک میں نظر آتے ہیں۔ اس شک کے اُن کے نزدیک، دو باعث ہیں۔ اوّل یہ کہ اب زمانہ جس سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اور متمدن دُنیا جس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور علوم کا انتشار جس وسعت کے ساتھ ہو رہا ہے ایسا پچھلے زمانوں میں نہ ہوتا تھا۔ دوم یہ کہ قرآنی حقائق کے بارے میں مسلمانوں میں اتنا جمود ہے اور وہ اس کے معنوں کے تعلق میں قدامت پسندی اور محدودیت پر اس قدر مُصر نظر آتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ان کی علمی ترقی کی رفتار زمانہ کی رفتار سے ہمکنار ہو سکے۔

بلاشبہ ایک عام آدمی ان دو باتوں کی وجہ سے تذبذب میں پڑ جائے گا مگر غور و تدبر کرنے والے انسان کی نظر میں یہ امور اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتے کہ قرآن مجید ہی آخر تک انسان کی رُوحانی و دینی ضرورتوں کو پورا کرنے والا قانون ثابت ہوگا۔ کون جانتا تھا کہ انسانیت کے ابتدائی ادوار کے بعد انسان کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں اسی زمین سے پُوری ہوتی رہیں گی۔ مگر دیکھ لیجئے کہ جوں جوں انسان کی ضرورتوں میں اضافہ ہوتا گیا توں توں زمین کی قوتِ تخلیق بھی بڑھتی گئی اور یہ ثابت ہوتا گیا کہ معمولی بیل گاڑی کے دَور سے لیکر آج کے تیز ترین ہوائی جہاز کے دَور تک سب ضرورتیں اسی زمین سے پُوری ہوتی رہی ہیں اور تمام انسانی ایجادات کیلئے مواد اسی جگہ سے میسر آتا رہا ہے۔ بیشک ایک سطحی نظر والے زمیندار کو زمین کی ان خاصیات کا اندازہ نہیں اور وہ انسانی فکر کے ارتقاء کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہوگا

اب کیا ہوگا، اب یہ ضرورتیں کس طرح پوری ہونگی مگر طبقات الارض کے عالم جانتے ہیں کہ قدرت نے اس مٹی میں کس قدر بے انتہا طاقتیں ودیعت کی ہیں۔ ان علماء میں سے جو کامل ماہر ہیں انکا تصوّر عام علماء سے بھی کہیں بلند ہوتا ہے وفوق کلّ ذی علم علیم۔
قرآن مجید نے چودہ سو برس پیشتر غیر متمدن صحرائے عرب میں یہ دعوی کیا تھا وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا۔ کہ تمام نسلِ انسانی دنیائے روحانیت میں دینیات کے بارہ میں کوئی ایسی تعلیم پیش نہیں کر سکتی جس سے بہتر، پائیدار اور قائم رہنے والی پُر حکمت تعلیم قرآن میں موجود نہ ہو۔ قرآنِ پاک کا یہ دعوی زمانہ کی موجوں کے سامنے ایک مضبوط چٹان ثابت ہوا ہے۔ آج بھی قرآن مجید کا یہ دعوی ہے۔ آج تمدن، علوم اور ارتقاء کے مدعی شش و پنج میں پڑے ہوئے ہیں۔ کمزور ایمان لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید موجودہ طوفان کے تھپیڑوں کے سامنے یہ چٹان قائم نہ رہ سکے مگر ماضی کی ناقابلِ تردید شہادت ان کے وہم کے ازالہ کیلئے کافی ہے۔ مزید برآں زمانہ حاضر میں خداوند تعالے نے جو غیر معمولی حالات پیدا فرمائے ہیں اور قرآن مجید کی محکمیت اور افضلیت کیلئے اس نے اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے مطابق جس طرح ایک عظیم الشان فرستادہ کو مامور فرمایا ہے یہ سب کچھ دور بین آنکھ کیلئے قرآن مجید کی عظمت و سطوت کے ثابت کرنے کے لئے ایسے سامان ہیں جن کے سامنے زمانہ کی طاغوتی طاقتوں کو ایک دن سرنگوں ہونا پڑیگا۔

تحریکِ احمدیت اس نصب العین کو لیکر کھڑی ہوئی ہے کہ قرآن مجید جامع اور کامل کتاب ہے، اسمیں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ قرآنی تعلیمات رہتی دنیا تک اٹل حقائق ثابت ہونگی۔ مسلمان یا نامسلمان جو بھی قرآن مجید کے جزء یا کُل کے نسخ کا دعوی کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ قرآن مجید وہ بحرِ بے پایاں ہے جس کے موتیوں کا احاطہ کوئی غوطہ زن نہیں کر سکتا۔ پس یہ کہنا بلا مبالغہ درست ہے کہ تحریکِ احمدیت اس زمانہ میں قرآنی عظمت و سطوت کے اعلان کیلئے روشن مینارہ ہے۔
جہانتک مسلمانوں کے جمود اور انکے "علماء" کی قرآن مجید سے دوری کا سوال ہے یہ درست ہے کہ اشاعتِ قرآن کے راستہ میں سب سے بڑی روک یہی لوگ ہیں مگر آپ دیکھینگے کہ گزشتہ پچاس برس میں قرآن مجید کیلئے کتنا راستہ صاف ہو گیا ہے اور کس طرح سے علماء کو طوعاً و کرہاً قرآن مجید کی طرف لوٹنا پڑا ہے۔ مسلمانوں میں اس عرصہ میں مختلف ہنگامی تحریکات نے بھی اس پہلو سے احمدیت کی مدد کی ہے اور اب مسلمان اس بات کے ماننے میں اصولی طور پر کوئی دقت محسوس نہیں کرتے کہ ہماری بلکہ ساری نسلِ انسانی کی تمام امراض کا علاج قرآن مجید میں ہے اور قرآن ہر قسم کے نسخ و ترمیم سے پاک ہے۔ اب ہر ملک اور ہر خطۂ زمین سے الرجوع الی القرآن کی صدا بلند ہو رہی ہے۔

ایسے موقع پر بعض خود غرض انسان قرآن مجید کے نام سے اپنے الحادی نظریات کی اشاعت کی بھی کوشش کر رہے ہیں اور دوسرے ڈھنگ میں قرآنی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ ایسے ایسے معنے ایجاد کرتے ہیں جو قرآنی روح کے سراسر منافی ہیں اسلئے یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآنی معانی کی بے انتہا وسعت کے باوجود ان میں بے اصولا پن نہیں ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کے معانی کی صحت کیلئے ایک محک اور کسوٹی مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل قرآن مجید کی کسی آیت کے ایسے معنے اور ایسی تفسیر قابلِ قبول نہ ہوگی جو دوسری کسی آیت کے

بیان کے خلاف ہو۔ دوم ایسے کوئی معنے قبول نہ ہونگے جو عربی زبان اور اسکے قواعد کے خلاف ہوں۔ سوم ایسے کوئی معنے قبول نہ ہونگے جو انسانی عقل کے خلاف ہوں۔ یہ تین۳ باتیں ملحوظ رہیں تو قرآن مجید کے الفاظ سے پیدا ہونیوالے ہر نئے معنے مقبول ہونگے اور ان کیلئے قرآن مجید میں وسعت موجود ہے۔ قرآن مجید کسی کا اجارہ داری نہیں مگر وہ خدائے قدوس کا پاکیزہ اور مخفی خزانہ ہے اور اس خزانہ تک رسائی کا راستہ مقرر ہے۔ احمدیت اسی نہج پر قرآنی معانی کی وسعت کی قائل اور داعی ہے اور احمدیت کے نزدیک قرآن پاک ایک زندہ اور کامل شریعت ہے اور اسی کی ترویج و اشاعت احمدیت کا منتہائے مقصود ہے۔

رسالہ "قادیانی مسئلہ" کے "دلائل"

مدیر صاحب رسالہ "طلوع اسلام" لکھتے ہیں:-

"اس سارے قصے میں سب سے زیادہ اہمیت مودودی صاحب کے رسالہ "قادیانی مسئلہ" کو دیجاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس رسالہ کے دلائل اسقدر پوچ ہیں کہ اگر انکا تجزیہ کیا جائے تو وہ خود احمدیوں کے حق میں چلے جاتے ہیں" (اکتوبر سنہ ۱۹۵۳ء ص۴)

جناب مودودی صاحب کے رسالہ کے بارے میں یہ ایک معاند سلسلہ احمدیہ کی رائے ہے جس پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

پاکستان کا عبوری آئین

اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان بہت جلد سر زمین بار آئین بننے والا ہے۔ فی الحال ان امور کو آئین کی شکل دیجائیگی جو تمام لوگوں کے نزدیک مسلّم ہیں اور انکے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مجلس دستور ساز یہ کام شروع کر رہی ہے اور اسلامی اصول کی روشنی میں جلد تر اس آئین کو مکمل کر رہی ہے۔ اس خبر سے ملک کے ان عناصر کی امیدوں پر اوس پڑ گئی ہے جو اسلامی دستور کے نام سے عوام کو لڑا کر اقتدار کی باگ تھامنے کی تدبیریں کر رہے تھے وہ اب دوسرے چور دروازے سے گھسنے کی کوشش کریں گے۔

مجلس دستور ساز کے اراکین کو یہ بات کبھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ اصول اور قوانین کے لئے مناسب ماحول کا تیار کرنا بھی لازمی ہے۔ بہترین بیج کے لئے بہترین زمین بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید کا تدریجی نزول اسی حکمت کے ماتحت ہوا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان میں علماء کو اسلامی قوانین کے لئے گزشتہ عرصہ میں جو زمین تیار کرنی چاہیئے تھی اور جس طرح اذہان کی استعداد کو اس کے لئے بیدار کرنا چاہیئے تھا وہ اس سے سراسر غافل رہے ہیں اور ابھی تک غافل ہیں۔ بلکہ وہ ایک رنگ میں ملکی خلفشار کا موجب ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں اسلامی آئین کا نفاذ بہت دقت طلب ہے۔ کیونکہ کوئی قانون عوام کے تعاون کے بغیر جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ حکومت ہی کے ذمہ آپڑا ہے کہ وہ آئین بھی مرتب کرائے اور اس کے اجراء کے لئے مناسب ماحول بھی تیار کرے۔

پاکستان کے تمام بہی خواہ انسانوں کو اس بارے میں اپنی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے اور اس آزاد سلطنت کے استحکام کے لئے ہمہ تن کوشش کرنی چاہیئے۔ جس کے لئے آئین کی تدوین اور اس کی ترویج بنیادی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ عوام کے تعاون کے بغیر حکومت کا اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل امر ہے +

تعلیم اللغۃ العربیۃ

عربی زبان کے متعلق آسان اسباق

(دسواں سبق)

اسم فاعل اور اسکے بنانے کا طریق

(ذخیرۂ الفاظ)

سَجَدَ	قَالَ	سَكَنَ	أَكَلَ
اس نے سجدہ کیا	اس نے کہا	اس نے رہائش اختیار کی	اس نے کھایا
هَبَطَ	تَابَ	تَبِعَ	كَفَرَ
وہ اُترا، وہ لوٹا۔	اس نے توبہ کی	اس نے پیروی کی	اُس نے کفر کیا
خَلَدَ	رَكَعَ		
وہ ہمیشہ رہا	اس نے رکوع کیا۔ وہ جھکا		

نوٹ:۔ یہ دس الفاظ ہیں جن میں سے ہر ایک فعل ماضی ہے اور تین حرف پر مشتمل ہے اسلئے اسے فعل ثلاثی کہا جاتا ہے۔

اسم فاعل (کرنے والا) فعل ثلاثی سے فَاعِلٌ کے وزن پر بنتا ہے مثلاً ذَهَبَ (وہ گیا) فعل ثلاثی سے اسم فاعل ذَاهِبٌ (جانے والا) بنے گا۔ اسی طرح مندرجہ بالا دس افعال میں سے ہر ایک کا اسم فاعل حسب ذیل ہوگا:۔

سَاجِدٌ	قَائِلٌ	سَاكِنٌ	آكِلٌ
سجدہ کرنیوالا	کہنے والا	رہنے والا	کھانے والا
هَابِطٌ	تَائِبٌ	تَابِعٌ	كَافِرٌ
اُترنے والا	توبہ کرنیوالا	پیروی کرنیوالا	انکار کرنیوالا
خَالِدٌ	رَاكِعٌ		
ہمیشہ رہنے والا	رکوع کرنیوالا		

مشق ۱

مندرجہ ذیل فقرات کا اُردو میں ترجمہ کریں:۔

(۱) سَجَدَ زَيْدٌ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔
(۲) لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔
(۳) اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔
(۴) مَنْ يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ؟
(۵) سَكَنْتُ فِيْ مِصْرَ اَرْبَعَةَ اَعْوَامٍ۔
(۶) اَلنَّاسُ يَأْكُلُوْنَ الْقَمْحَ۔
(۷) هَبَطَ بَكْرٌ هٰذَا الْبَلَدَ۔
(۸) تَابَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ۔
(۹) كَفَرَ اَبُوْجَهْلٍ بِاللّٰهِ۔
(۱۰) اِرْكَعْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ۔

مشق ۲

مندرجہ ذیل اُردو جملوں کا عربی میں ترجمہ کریں:۔

(۱) سہیل اپنے گھر لوٹ آیا (۲) اللہ کے غیر کو سجدہ مت کرو۔ (۳) تم نے مجھے کل کیا کہا تھا؟ (۴) وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ (۵) مَیں نے کبھی فرشتوں کا انکار نہیں کیا (۶) تم اِس دُنیا میں ہمیشہ نہ رہوگے (۷) وہ اس پتھر کے آگے جھک گیا (۸) مَیں اس درخت سے نہ کھاؤنگا (۹) مَیں اس پہاڑ کے پیچھے رہتا ہوں۔ (۱۰) مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔

مشق ۳

مندرجہ ذیل افعال سے اسم فاعل بنائیں:۔

(۱) نَطَقَ (۲) سَكَتَ (۳) قَتَلَ (۴) دَخَلَ۔
(۵) نَامَ (۶) قَامَ (۷) جَلَسَ (۸) فَرَغَ (۹) عَلِمَ
(۱۰) كَتَمَ۔۔

گیارھواں سبق

جملہ اسمیہ اور اسکے اجزاء

نوٹ ۱ - اصولی طور پر آپ یہ سمجھ لیں کہ عربی زبان کے جس جملہ میں پہلے فعل اور پھر فاعل مذکور ہو وہ جملہ فعلیہ ہے اور جس جملہ میں پہلے اسم ہو (بعد ازاں دوسری جزء خواہ اسم ہو خواہ فعل ہو) وہ جملہ اسمیہ ہوگا۔

نوٹ ۲ - جملہ اسمیہ کی پہلی جزء مبتداء کہلاتی ہے اور دوسری جزء کو خبر کہتے ہیں مثلاً اردو کے فقرہ "زید جانے والا ہے" کا ترجمہ عربی زبان میں زَيْدٌ ذَاهِبٌ ہوگا۔ چونکہ پہلی جزء اسم ہے اسلئے یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اس جملہ اسمیہ میں لفظ زَيْدٌ مبتداء ہے کیونکہ وہ پہلے آیا ہے۔ نیز اسکے متعلق خبر دی گئی ہے بلفظ ذَاهِبٌ خبر ہے۔ اس میں زَيْدٌ (مبتداء) کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

(ذخیرۂ الفاظ)

رَاجِعُوْنَ	فَارِقٌ۔	وَاعِدٌ
لوٹنے والے	جُدا کرنیوالا۔ فرق کرنیوالا	وعدہ کرنیوالا
ظَالِمُوْنَ	شَاكِرٌ	تَائِبُوْنَ
ظلم کرنیوالے	شکر کرنیوالا	توبہ کرنیوالے

ظَالِمُوْنَ	شَاكِرٌ	تَائِبُوْنَ	بَارِئٌ
ظلم کرنیوالے	شکر کرنیوالا	توبہ کرنیوالے	پیدا کرنیوالا
آخِذٌ	دَاخِلٌ	فَاسِقٌ	
پکڑنے والا	داخل ہونیوالا	بدعہدی کرنیوالا	

مشق ۱

مندرجہ ذیل اُردو جملوں کا ترجمہ عربی زبان میں جملہ ہائے اسمیہ کی صورت میں کریں:۔

(۱) وہ سب گھر لوٹنے والے ہیں۔

(۲) قرآن مجید حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔

(۳) اللہ سچا وعدہ کرنے والا ہے۔

(۴) کافر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

(۵) میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں۔

(۶) وہ سب مرد توبہ کرنے والے ہیں۔

(۷) اللہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔

(۸) یہ لڑکا کتاب پکڑنے والا ہے۔

(۹) تو مدرسہ میں داخل ہونے والا ہے۔

(۱۰) یہ مرد بدعہدی کرنے والا ہے۔

مشق ۲

مندرجہ ذیل فقرات کا ترجمہ کریں:۔

(۱) هٰذِهٖ بَقَرَةٌ فَارِضٌ۔

(۲) اِنَّ لَوْنَهَا فَاقِعٌ۔

(۳) اِنَّ الرَّجُلَ ذَابِحٌ بَقَرَتَهٗ۔

(۴) اَلتِّلْمِيْذُ خَارِجٌ مِنَ الْمَدْرَسَةِ۔

(۵) هُوَ ضَارِبٌ اَخَاهُ۔

(۶) هٰذَا حَجَرٌ هَابِطٌ۔

(۷) اَللّٰهُ لَيْسَ بِغَافِلٍ۔

(۸) لَا تَكُنْ طَامِعاً۔

(۹) هُوَ سَامِعٌ كَلَامِيْ۔

(۱۰) هُمْ رِجَالٌ عَاقِلُوْنَ۔

عالمی تقویم اور یومِ امن!

(ترجمہ چودھری فضل احمد صاحب نائب ناظر تعلیم و تربیت)

ذیل میں "پاکستان ٹائمز" لاہور مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۵۳ء کے تحقیقی مضمون:-

"World Calendar and the Peace day"

کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ تقویم عالمی کا مسئلہ ایک علمی اور عملی مسئلہ ہے۔ قرآن مجید نے اس موضوع پر ایک علمی فیصلہ دے رکھا ہے۔ اس بارے میں "شذرات" کے زیرِ عنوان ہمارا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں! (ایڈیٹر)

عالمی تقویم کا اجراء ورلڈ کیلنڈر ایسوسی ایشن نیویارک امریکہ کا نصب العین ہے۔ اس کی شاخیں کئی ایک ممالک میں موجود ہیں۔ ایک لندن میں بھی ہے۔

مجوزہ تقویم کا نقطۂ مرکزی یہ ہے کہ اس کو ایسی شکل حاصل ہو جو ہر سال تبدیل نہ ہو۔

اب تک انسان نے قریباً ایک سو مختلف تقویمیں مختلف اوقات میں تجویز کی ہیں جن میں سے ایک درجن کے قریب تو ہندوستان میں ہی رائج ہیں۔ لیکن کوئی ایک بھی مندرجہ بالا مقصد کو پورا نہیں کرتی۔

کون نہیں جانتا کہ رائج الوقت تقویم کی رُو سے کرسمس کبھی ہفتہ کے اخیر میں آتا ہے اور کبھی وسط میں۔ سوموار کو پیدا شدہ بچہ ایک سال تو اپنی سالگرہ جمعرات کو مناتا ہے مگر اگلے سال جمعہ کو۔ اسی طرح تعطیلاتِ گرما کے بعد سکول کبھی کسی دن کھلتا ہے اور کبھی کسی دن۔ اور ایامِ تعلیم ہر سال مختلف تاریخوں سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی یہ ایامِ تعلیم تھوڑے ہوتے ہیں اور کبھی زیادہ۔ امتحانات کی تاریخیں ہر سال یونیورسٹی کو بدلنی پڑتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

مروجہ کیلنڈر (تقویم) جیولین کیلنڈر ہے۔ جو شمسی عیسوی تقویم ہے۔ یہ عمدہ اور صحیح کیلنڈر ہے اور متمدّن دُنیا کے اکثر حصہ میں جیولیس سیزر کے رائج کرنے کے وقت سے اب تک مقبول ہے۔ گریگورین کیلنڈر کوئی نیا کیلنڈر نہ تھا بلکہ یہ ایک ترمیم تھی جو جیولیس سیزر نے ہی اپنے کیلنڈر کے لئے لازمی قرار دی تھی۔

ہماری زمین کو سورج کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں ۳۶۵ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ ساڑھے سینتالیس سیکنڈ لگتے ہیں۔ اس عرصہ کا نام ایک سال ہے جیولیس سیزر سے پہلے سال ۳۶۵ دن کا شمار ہوتا تھا اس کمی کی وجہ سے اس کے زمانہ تک دو ماہ کا فرق پڑ گیا تھا۔ اس نے اس خامی کو دُور کرنے کے لئے ۴۶ء قبل مسیح میں دو ماہ بڑھا دیئے اور آئندہ کے لئے ہر چوتھے سال کو ۳۶۶ دن کا شمار کرنے کا قاعدہ مقرر کیا اور اس کا نام لیپ یا سال کبیسہ رکھا۔ اس حساب کے مطابق ایک سال $\frac{1}{4}$ ۳۶۵ دن یعنی بارہ منٹ زیادہ شمار ہوا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۵۸۲ء تک دس دن کا فرق پڑ گیا۔

پوپ گریگری نے اُس سال پانچ اکتوبر کو پندرہ اکتوبر شمار کیا۔ یعنی دس دن حذف کر کے موجودہ تشکیل کی تکمیل کر دی۔ اب بھی سال میں تقریباً چھبیس سیکنڈ کا فرق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے تین ہزار سال بعد ایک دن کا فرق پڑے گا۔

اِس تقویم میں دقت یہ ہے کہ سال کے ۳۶۵ دن ہیں یا بصورت لیپ یا سال کبیسہ ۳۶۶۔ ان اعداد میں سوائے اس کے کوئی خوبی نہیں کہ ان سے اس وقت کا اندازہ ہوتا ہے جو زمین سورج کے گرد چکر لگانے میں لیتی ہے۔ اس کو نہ تو چار برابر حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے تا چوتھائی سال حاصل ہو اور نہ نصف سالوں میں (سوائے لیپ کے سال کے) تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور سات سات دنوں کے ہفتوں میں بھی تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ مہینے بھی غیر مساوی طول کے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اگسٹس نے اِس صورتِ حال کو اور بھی زیادہ خراب بنا دیا جبکہ اس نے اپنے مہینے (اگست میں اکتیس دن رکھنے کے لئے فروری میں سے ایک دن کم کر دیا۔

ورلڈ کیلنڈر میں اس سارے جھمیلے کا ایک آسان علاج تجویز کیا گیا ہے اور اس کی تشکیل یوں کی گئی ہے۔ کہ سال کے تین صد چونسٹھ دن رکھے جائیں۔ اس سے ہر ایک سہ ماہی کے اکانوے دن ہوں گے۔ ہر سہ ماہی میں ایک مہینہ (جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر) اکتیس دن کا اور دو مہینے تیس تیس دن کے۔ اس سے ہر ماہ میں اتوار چھوڑ کر چھبیس دن یقینی بن جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سال کے ٹھیک باون ۵۲ ہفتے ہوں گے اور اِس طرح تعطیلات اور ولادت کے ایام اور جلسے اور ہر قسم کے تہوار سب ہر سال اپنے اپنے مقررہ دن پر لائے جا سکتے ہیں۔ جس تقریب کے لئے مثلاً سوموار مقرر ہو وہ ہر سال سوموار کو ہی آئے گی۔ سال اتوار کو شروع ہو سکتا ہے۔ یہ عالمی کیلنڈر کا مختصر سا ڈھانچہ ہے۔

اس کے ساتھ عالمی یومِ امن کی تجویز لازم و ملزوم کے طور پر وابستہ ہے۔ کیونکہ ہم زمین کو سورج کے گرد تین صد چونسٹھ دن میں ہی گھومنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ لازماً ایک دن بچ جائے گا۔ یہ دن دسمبر کے آخری دن اور جنوری کے پہلے دن کے درمیان رکھا جا سکتا ہے۔ جس کی نہ کوئی تاریخ ہو اور نہ اس کا ہفتے کے سات دنوں میں سے کوئی نام۔ بلکہ یہ ایک خاص دن ہو، ایک تعطیل کا دن جو نہ کسی قومی اور نہ کسی مذہبی یاد سے تعلق رکھتا ہو بلکہ ایک بین الاقوامی یومِ امن کہلائے۔ اور لیپ کے سال میں ایک اور عالمگیر دن ہو گا جو جون کے اخیر میں رکھا جا سکتا ہے۔

تین صد چونسٹھ دنوں کے سال کا خیال پہلے پہل ۱۸۳۴ء میں اٹلی کے ایک پادری مارسٹرو فینی کو سوجھا۔ پھر کونٹے نے اِس خیال کو ترقی دی اور تیرہ برابر برابر مہینوں کا ایک قمری سال تجویز کیا۔ ہمارے اِس زمانہ تک ہر دو تجاویز یعنی ایک تو متذکرہ بالا شمسی تقویم اور دوسری تیرہ ماہ کی قمری سال والی تجویز ایک دوسرے کے مقابلہ پر رہی ہیں لیکن اب عالمگیر تقویم کی تحریک زیادہ نمایاں ہے۔ کیونکہ تیرہ مہینے والے قمری سال پر بھی یہ اعتراض ہے کہ اس میں چوتھائیاں نہیں ہوں گی۔ مجوزہ عالمی تقویم کا اجراء ایسے سال میں نہایت آسان ہو گا کہ جس کا آغاز اتوار سے ہو۔ لہذا ۱۹۵۶ء میں اِس تحریک کی کامیابی اغلب ہے خصوصاً جبکہ کئی اقوام اس کی حامی ہیں اور اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس تحریک کو پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ (پاکستان ٹائمز ۱۹ جنوری ۱۹۵۵ صفحہ ۱۰)

قرآنی حقائق و معارف کا خزانہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ کے تازہ درس القرآن کے نوٹ!

(سلسلہ کے لئے الفرقان ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۳ء ملاحظہ فرمائیں۔ (ایڈیٹر))

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ○ یہ قول بھی حضرت مسیحؑ کی انسانیت پر دلیل ہے۔ اَلسَّلَامُ خدا کا نام ہے، اسی کی طرف سے حضرت مسیحؑ پر یہ سلامتی آئی ہے۔ جب بھی السلامُ علیہ کہیں گے تو اس سے مخلوق مراد ہوگی۔ خالق کے لئے السلام علیہ نہیں کہہ سکتے۔ يَوْمَ أَمُوْتُ کا لفظ صریح طور پر حضرت مسیحؑ کی الوہیت کی تردید ہے۔ اگر وہ خدا ہوتے تو اُن کے لئے موت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا سے آخرت کی بعثت بھی مراد لی جاتی ہے مگر دلیل کے لحاظ سے یہ محض ایمان سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ اِس سے مسیحؑ کے لحاظ سے ان کا صلیبی موت سے بچایا جانا بھی مراد ہے اور یہ خود اُخروی سلامتی کے لئے دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیحؑ کے ساتھ سلامتی کا وعدہ انجیل لوقا $\frac{2}{14}$ کے فقرہ "زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح" سے بھی ثابت ہے۔ ایسا ہی یوحنا $\frac{16}{32}$ میں ہے "تم سب پراگندہ ہو کر اپنے گھر کی راہ لوگے اور مجھے اکیلا چھوڑ دو گے تو بھی میں اکیلا نہیں ہوں، کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے۔" اعمال کی کتاب میں ہے "خدا اس کے ساتھ تھا" ($\frac{10}{38}$)

خدا کے ساتھ ہونے کے معنے سلامتی دینے کے ہیں۔

ان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت کا عقیدہ درست نہیں۔ حضرت مسیحؑ کے لئے حقیقی موت پر سلامتی کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر قسم کے روحانی نقص سے پاک رکھیگا۔ حضرت مسیحؑ کی طرف سے خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھنے کا اعلان اِسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے تھا۔ (لوقا $\frac{22}{29}$)

قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی طرف سے جن امور کو نقل فرمایا ہے ان سب کی تائید موجودہ اناجیل کے حوالہ جات سے بھی ہوتی ہے۔ یہ سب وعدے حضرت مسیحؑ کے انسان اور مخلوق ہونے پر دلیل ہیں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○ یہ عیسیٰ بن مریمؑ ہیں۔ ہم نے اِس بارے میں حق بات بیان کر دی ہے اور انہیں اس میں شک اور تردّد ہے اور وہ باہم جھگڑ رہے ہیں۔ امتراء کے لفظی معنے شک کرنے کے ہیں۔ یہ اسکی تردید کرتا ہے اور وہ اس کی بات کو رد کرتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ تردّد اِس امر کی دلیل ہے کہ حق ان کے پاس نہیں ہے۔ اہلِ دُنیا میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں اختلاف ہے اور پھر خود عیسائیوں کے مختلف گروہوں میں باہم اختلاف ہے۔

یہ اختلاف حضرت مسیحؑ کی ولادت سے لیکر اُن کی وفات تک کے تمام مراحل کے بارے میں ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ پھر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں حضرت مسیحؑ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام غیر احمدی حضرت مسیحؑ کو آسمان پر زندہ بجسدہ العنصری مانتے ہیں اور جماعت احمدیہ انہیں وفات یافتہ مانتی ہے۔ احمدیوں کے دونوں فریقوں میں بھی حضرت مسیحؑ کے بارے میں اختلاف ہے۔ غیر مبایعین حضرت مسیحؑ کی پیدائش باپ کے ذریعہ سے مانتے ہیں اور ہماری جماعت کا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت سے بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ غرض حضرت مسیحؑ کی ساری زندگی بلکہ موت کے بارے میں بھی لوگوں میں تردد اور شک پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی ہر قسم کے شک و تردد سے بالا ہے۔ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ○

ایک اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کو عیسیٰ ابن مریم کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر مسیحی مصنف ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کو ابن مریم کہہ کر ہمیں چڑایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہ طریق نصاریٰ کو چڑانے کے لئے نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کے لئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صحیح تعیّن کے لئے اختیار فرمایا ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ لوگ حضرت مسیحؑ کو ابن مریم کہا کرتے تھے۔ مرقس ۶/۳ میں لکھا ہے کہ:-

"کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے؟"

بے شک اناجیل میں ذکر ہے کہ حضرت مسیحؑ اپنے آپکو ابن آدم کہا کرتے تھے مگر اس لفظ سے شناخت نہیں ہو سکتی۔ تمام انسان ہی ابن آدم ہیں۔ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہہ رہے ہیں۔ مجاز کے لحاظ سے ابن اللہ کا لفظ بائیبل میں ایک عام محاورہ ہے اور بہت سے لوگوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس سے بھی امتیاز ثابت نہیں ہو سکتا۔ حقیقی طور پر خدا کا بیٹا کہنا سراسر غلط اور بے ثبوت بات ہے اور وجہ تعیّن نہیں۔ پس درحقیقت ابن مریم نام سے بہتر مسیحؑ کی شناخت کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ یہ لفظ حضرت مسیحؑ کو پورے طور پر شناخت کروا دیتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے اسے اختیار فرمایا ہے۔ پس قابلِ اعتراض مسیحیوں اور انجیل کا قول ہے نہ کہ قرآن مجید کا قول۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا قرار دے یا بیٹا بنائے۔ وہ اِس سے پاک ہے۔ اسکی شان یہ ہے کہ جب کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو اسے ہونے کا حکم دیتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔

عربی زبان میں مَا كَانَ لَهٗ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اس کی شان کے شایاں نہیں۔ یا اس میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ فقرہ مَا كَانَ لَهٗ ان یقول کذا کے معنے ہوں گے کہ (۱) اس کی شان اتنی اعلیٰ ہے کہ وہ ایسا گندہ فقرہ نہیں کہہ سکتا (۲) یا یہ بات ایسی ارفع ہے کہ اس کی قسمت کہاں؟

پس آیت مَا کَانَ لِلّٰہِ کے معنے ہیں کہ خدا کی شان ایسی نہیں ہو سکتی کہ اسکی طرف بیٹا بنانے یا بیٹا قرار دینے کا نظریہ منسوب کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ فرمایا ہے محض یہ نہیں کہا کہ اس کا بیٹا ہونا اس کی شان کے خلاف ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اتخاذِ ولد ذاتِ باری کی شان کے منافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں میں اختلاف ہے بعض حضرت مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کے قائل ہیں اور بعض کا نظریہ یہ ہے کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ تھیوریاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کے الفاظ میں ابنیت کے عقیدہ کی تردید فرمائی جس سے دونوں نظریات کی تغلیط ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ خدا کا بیٹا ہو اور وہ اُسے بیٹا قرار دے یا باہر سے لاکر بیٹا قرار دیدے یہ دونوں باتیں اللہ کی شان کے خلاف ہیں۔

عقیدہ ابنیت کی تردید اناجیل سے عیسائی لوگ حضرت مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ مثبت دعویٰ کی دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے، مدعی اثبات کا ہوتا ہے عیسائی کیا دلیل دے سکتے ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری انجیل میں مسیح کو ابن اللہ کہا گیا ہے مگر یہ دلیل نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل حوالجات پر غور کیا جائے:۔

(۱) (نیک لوگ) "قیامت کے فرزند ہو کر خدا کے فرزند ہوں گے۔" (لوقا ۲۰/۳۶)

(۲) "میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے۔" (یرمیاہ ۳۱/۹)

(۳) "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (متی ۵/۹)

(۴) "تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔" (متی ۶/۸)

(۵) "اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے۔" (متی ۶/۹)

(۶) "تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کریگا۔" (متی ۶/۱۴)

(۷) "تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔" (متی ۶/۱۸)

(۸) "ان (چڑیوں) میں سے ایک بھی تمہارے باپ کی مرضی بغیر زمین پر نہیں گر سکتی۔" (متی ۱۰/۲۹)

(۹) "جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحمدل ہو۔" (لوقا ۶/۳۶)

(۱۰) "تمہارے باپ کو پسند آیا کہ تمہیں بادشاہی دے۔" (لوقا ۱۲/۳۲)

(۱۱) "اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔" (خروج ۴/۲۲)

بائیبل میں ایسے بیسیوں حوالے موجود ہیں جن میں پیار اور محبت کے طور پر تمام بنی نوع انسان کو خدا کے بیٹے قرار دیا گیا ہے خصوصاً نیک لوگوں اور حواریوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے۔ پس حقیقی طور پر مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا مسیحیوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ برحق ہے۔

بائیبل کی شہادت قرآن مجید کے بیان مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کی شہادت خود بائیبل میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید نے خدا تعالیٰ کے لئے لفظ اللہ کو اسم ذات قرار دیا ہے بائیبل میں یہوواہ کا لفظ آیا ہے۔ عبرانی زبان درحقیقت عربی زبان کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہوواہ اصل میں یَاھُوَ تھا، یہ بھی صفاتی نام ہے ذاتی نہیں ہے۔ تورات میں اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیم کا لفظ آیا ہے جس کے معنے بڑا خدا، شاندار خدا کے ہوں گے۔ ادب کے لئے لفظ الوہیم جمع کر دیا ہے اور رہا ادب و عزت کے لئے زیادہ کر دی جاتی ہے۔ پس خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام صرف اللہ ہی ہے اور وہ واحد لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ خود بائیبل سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً کتاب استثناء میں لکھا ہے "سن لے اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (۴/۶) یسعیاہ میں آیا ہے "یہوواہ میں ہوں، یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا" (۸/۴۲) یہ "شوکت نہ دینا" قرآن مجید کے الفاظ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کی تفسیر ہیں۔

پھر اناجیل میں ہے کہ "یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔" (مرقس ۲۹/۱۲) "اسی واحد حکیم خدا کی یسوع مسیح کے وسیلے سے ابد تک تمجید ہوتی ہے۔ (رومیوں ۲۷/۱۶)

پس جب تورات اور انجیل ایک طرف خدا کو واحد قرار دیتی ہیں اس کے شریک کی نفی کرتی ہیں اور دوسری طرف بائیبل میں بیٹے کا لفظ پیارے کے معنوں میں بولا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ خدا کے اتخاذِ ولد کا عیسائیوں کا عقیدہ سراسر غلط ہے۔ تورات و انجیل بھی قرآن مجید کے الفاظ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کی تائید کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سُبْحَانَہٗ کہہ کر عدم اتخاذِ ولد کی دلیل ذکر فرمائی ہے۔ بیٹا ہونے کا قانون ان چیزوں میں جاری ہے جو اپنے کام کے ختم کرنے سے پہلے پہلے ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان، گائے، بیل، پہاڑ، سورج، چاند اور ستاروں پر غور کرلو ہر جگہ نظر آئے گا کہ توالد و تناسل فانی وجودوں میں ہوتا ہے اپنی ضرورت تک موجود رہنے والی چیزوں میں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری نہیں ہے۔

دراصل بیٹے کی تین وجوہ ہوتی ہیں (۱) نفسانی شہوت، انسانی جسم میں زائد مادوں کا جمع ہو جانا (۲) ساتھی اور مونس کی ضرورت۔ تورات میں لکھا ہے کہ آدم افسردہ تھا خدا نے اس کی افسردگی دور کرنے کے لئے اس کی بیوی پیدا کی (۳) مقررہ کام ختم ہونے سے پہلے فنا ہو جانا۔ بیٹے کی ضرورت اِن تین امور کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام سے پاک ہے یہ سب امور کسی نہ کسی پہلو سے نقص پر دلالت کرتے ہیں خدا تمام قسم کے نقائص سے پاک ہے۔ سُبْحَانَہٗ۔ اسلئے خدا کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

اِذَا قَضٰی اَمْرًا میں اِس استدلال کا جواب دیا ہے کہ بیٹے کی ضرورت بطور مددگار ہوتی ہے۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی امر کو کرنا چاہتا ہے تو کُنْ کہہ دیتا ہے اور اس کے اس حکم سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ پس اسے کسی مددگار کی بھی ضرورت نہیں۔

ایک اشکال کا حل بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے لفظ کُنْ کا مخاطب کون ہوتا ہے۔ آخر کوئی نہ کوئی چیز تو ہوگی جسے خطاب کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ لوگ مادہ کی ازلیت پر استدلال کرتے ہیں۔

مگر یہ سوال درحقیقت عربی زبان کے نہ جاننے اور قرآنی الفاظ پر غور نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ کُنْ بعض دفعہ اظہارِ خواہش کیلئے بھی آتا ہے ضروری نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی مخاطب بھی سامنے موجود ہو جو تبدیل ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ایک جگہ کُنْ اَبَا خیثمۃ کے الفاظ آتے ہیں۔ حضور کی مراد یہ تھی کہ خدا کرے کہ وہ ابوخیثمہ ہو۔ یہاں پر کُنْ تبدیلیٔ جنس کے لئے نہیں آیا بلکہ ایک خواہش کے اظہار کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ یوں ہو جائے اور ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ اس سے مادہ کے ازلی ہونے پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے۔

عربی زبان کی یہ خوبی ہے کہ اس کے الفاظ مقتضیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں شَیْءٌ کے ترجمہ میں چیز یا بات کہیں گے لیکن چیز یا بات کا لفظ حقیقت پر دلالت نہیں کرتا۔ شیٔ کا لفظ عربی زبان میں ارادہ کی گئی چیز کو کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ جس بات کو کرنا چاہے اس پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا یَشَاءُ قَدِیْر۔ زیرِ تفسیر آیت اِذَا قَضٰی اَمْرًا کا عربی زبان کے لحاظ سے صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے جس کے ہونے کا اُس نے حکم دیا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ اِس صورت میں کسی قسم کا اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کے معنے ہر بات پر نہیں بلکہ ہر ایسی بات پر جس کے کرنے کا وہ ارادہ کرے۔

اسی طرح اِذَا قَضٰی اَمْرًا کا درست مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کے کرنے کا فیصلہ کرے جو اس کے احکام میں شامل ہے اور جو اس کی شان کے مطابق ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید نے اِس آیت میں مدلّل طور پر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہونے کی نفی فرمائی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۔

یقیناً اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے تم اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور اُسی کی عبادت کرنا صراط مستقیم ہے۔ پس آؤ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اُس کے غیر کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی صفات کا موازنہ

اِس سورۃ میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کیلئے بطور ارہاص تھے۔ دوسرے اِن دونوں کی صفات میں تشابہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً (۱) حضرت عیسیٰ کا قول ہے اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (۲) حضرت مسیح کہتے ہیں وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا۔ حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً (۳) حضرت مسیح کہتے ہیں۔ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ۔ حضرت یحییٰ کے بارے میں فرمایا وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ (۴) حضرت مسیح نے کہا وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ

يَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔ حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔ (۵) حضرت مسیحؑ نے کہا وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ۔ وصیت پختہ عہد کو کہتے ہیں۔ حضرت یحییٰؑ کو تاکیداً فرمایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔ غرض یہ تمام صفات حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ کامیابی اور انجام کے لحاظ سے حضرت یحییٰؑ کے لئے فرمایا وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دی وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت یحییٰؑ کی ذاتی خوبی اور ذاتی کامیابی کا ذکر ہے لیکن مسیحؑ کے متعلق جو الفاظ ہیں وہ اُن کی قومی خوبی اور قومی کامیابی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں اشارہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کی قوم تو بحیثیت قوم باقی رہے گی لیکن حضرت یحییٰؑ کی قوم بحیثیت قوم باقی نہ رہیگی۔ حضرت یحییٰؑ درمیانی نبیوں میں سے تھے۔ حضرت مسیحؑ سلسلہ موسویہ کی آخری کڑی تھے۔ سلسلہ کے پہلے اور آخری فرد کو خاص اہمیت ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ پر پیدائش کے وقت سلامتی کے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُن کی پیدائش لوگوں کی روحانی سلامتی کا موجب ہوگی۔ وہ گویا بنی نوع انسان کی سلامتی کا ذریعہ بنیں گے۔

موت واقع ہو جانے کے باوجود کسی انسان پر سلامتی کے ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کام کیلئے وہ شخص کھڑا ہوا تھا اور جو اس کا نصب العین تھا وہ اُس شخص کی موت کے ساتھ بند نہیں ہو گیا بلکہ اسکے مرنیکے باوجود اسکا کام جاری ہے اور اسکی سچی تعلیم قائم ہے۔ جس شخص کا کام جاری ہو درحقیقت وہ شخص زندہ ہی ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں ما مات من خلف مثلہ۔ یہ بات بھی حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں مشترک ہے۔ ولادت کے وقت کی سلامتی اور موت کے وقت کی سلامتی اس بات پر دلیل ہے کہ بعثت کے وقت بھی انہیں ضرور سلامتی حاصل ہوگی۔ جب اُن کے مرنے کے بعد بھی ان کا ذکرِ خیر باقی ہے اور ان کا نام زندہ ہے تو یہ اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ اُنہیں بعثت کے وقت بھی سلامتی حاصل رہے گی۔ دُنیا میں بھی ہر سچے نبی کی روحانی زندگی کو قائم رکھا جاتا ہے اور انبیاء کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ کی سچائی مشتبہ ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی سچائی کو قائم رکھنے کے لئے حضرت مسیحؑ کو مبعوث فرما دیا۔ حضرت مسیحؑ، حضرت یحییٰؑ اور دیگر انبیاء کی روحانی زندگی کی شہادت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو برپا فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات کی زندگی اور اُن کے دوام کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (ہود) فرمایا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ۔	ان جماعتوں نے باہم اختلاف کیا۔

لفظ احزاب جمع ہے۔ اس کا مفرد حِزْبٌ آتا ہے۔ عربی زبان میں حِزْبٌ کا لفظ انسانوں کی ایسی جماعت کے لئے بولا جاتا ہے جن میں باہم اتحاد ہو۔ کُلّ قوم تشاکلت اعمالھم وقلوبھم فھم حزبٌ۔

اگرچہ لفظ حِزْبٌ کے عام معنے مطلق طور پر انسانوں کی جماعت کے ہیں مگر استعمال کے لحاظ سے اس میں یہ خصوصیت پیدا ہوگئی ہے کہ ایک خیال اور ایک طریق کے لوگوں کی جماعت حزب کہلائے گی۔

اس آیت میں الاحزاب سے مراد وہ جماعتیں ہیں جنہیں حضرت مسیحؑ کے بارے میں دلچسپی تھی۔ ورنہ انہیں حضرت مسیحؑ کے تعلق میں اختلاف کرنے کی کیا وجہ اور کیا ضرورت تھی۔ یاد رہے کہ اختلاف ایک رنگ میں اتحاد کے بعد ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مسلمانوں میں قرآن مجید کے متعلق اختلاف ہو جائے تو یہ اہمیت والی اور قابلِ تعجب بات ہوگی۔ پس خود عیسائیوں کا حضرت مسیحؑ کے بارے میں اختلاف کرنا تعجب خیز بات ہے۔ آیت کے لفظ مِنْ بَیْنِھِمْ نے بھی یہی بتایا ہے کہ یہاں وہی احزاب مراد ہیں جو حضرت مسیحؑ کو ماننے والے تھے۔ ان کی کتاب ایک تھی، عقائد بھی ایک تھے۔ مگر کتنی بدقسمتی ہے کہ پھر وہ اختلاف کرنے لگ گئے۔ عقائد میں اختلاف کر لیا۔ اعمال میں مختلف ہو گئے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ باہم اختلاف کرنے والے دو گروہوں میں سے ہر ایک حق پر نہیں ہو سکتا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ پس یوم عظیم کی رویت سے ان کافروں کے لئے عذاب عظیم ہوگا۔ لفظ وَيْلٌ کے معنے عذاب اور خدا سے دوری کے ہیں۔ کافروں کے لئے اس دن ہلاکت ہوگی۔

یوم عظیم سے مراد خدا کی ملاقات کا دن ہے مومن اس دن کی تمنا کرتا ہے لیکن کافروں کے لئے وہ دن ہلاکت کا دن ہے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا۔ یہ صیغہ تعجب ہے اس کے معنے ہیں کہ وہ لوگ اس دن جب ہمارے پاس آئیں گے کیا ہی خوب سنتے ہوں گے اور کیا ہی خوب دیکھتے ہونگے۔ کیونکہ اس دن کان حقیقت کو سن رہے ہونگے اور آنکھیں حقیقت کو دیکھ رہی ہوں گی۔ بعض نحویوں نے اسمع بھم و ابصر کو حقیقی امر کے معنوں میں لیا ہے مگر درست یہی ہے کہ یہ صیغہ تعجب ہے۔

لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ سوال ہوتا تھا کہ اس حقیقت کے انکشاف سے ظالموں کی کیا حالت ہوگی۔ فرمایا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کہ ظالم کہیں گے کہ یہ کیا نکلا اور ہم نے کیا سمجھا تھا۔ ضَلٰلٌ مُبِيْنٌ سے مراد یہ ہے کہ جو ہم مانتے تھے وہ بالکل غلط تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ اس دن گمراہ ہوں گے بلکہ یہ مراد ہے کہ اس وقت انہیں اپنی گمراہی کا علم ہو جائیگا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ انہیں یوم الحسرۃ کے بارے میں انذار کر جبکہ حقیقت کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا یا فیصلے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لا رہے یا نہیں لائیں گے۔

بعض دفعہ انسان حقیقت کو دیکھ لیتا ہے مگر اُس کا دل یکدم تبدیل نہیں ہوتا۔ غفلت کا گند اُس کے دل پر جم جاتا ہے اور پُرانی عادت کی وجہ سے وہ اُسے چھوڑ نہیں سکتا اور اسے ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی۔ ایسے لوگ نشان پر نشان دیکھتے ہیں پھر بھی اعتراض ہی کرتے چلے جاتے ہیں، ان کے دلوں میں جذب پیدا نہیں ہوتا۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝	ہم زمین اور اس کی کائنات کے وارث ہونگے

اور تمام لوگ ہماری طرف رجوع کریں گے۔

یہ ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ اس میں آخری زمانہ میں اسلام اور احمدیت کی ترقی کی طرف اشارہ ہے۔

ان آیات کا نزول اُس وقت ہوا جبکہ عیسائیوں کی معمولی حکومتیں تھیں۔ پہلے تو یہ خبر دی گئی ہے کہ عیسائی قوم ترقی کرے گی اور دُنیا بھر میں حکمران ہو جائے گی دوسرے یہ خبر دی گئی ہے کہ پھر ہم عیسائیوں سے حکومت چھین لیں گے اور اسلام کی حکومت آجائیگی۔ اِلَيْنَا يُرْجَعُونَ کے معنے ہیں کہ وہ لوگ توحید کے قائل ہو جائیں گے۔ وَمَنْ عَلَيْهَا میں اشارہ ہے کہ عیسائیت زمین پر بلحاظ افراد پھیل جائے گی اور پھر ایک دن اُن کی حکومت اُن سے چھن جائے گی اور وہ سب خدا کی ماتحتی قبول کر لیں گے یعنی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

بے شک عیسائیت تو کسی نہ کسی رنگ میں قیامت تک باقی رہے گی لیکن حکومت اور افراد کی شان کے لحاظ سے اس کی عظمت جاتی رہے گی۔ اور اسلام کا غلبہ ہوگا اور خدا تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت قائم ہو جائے گی ؛

قرآنی تعالیم اور اسکے تراجم کی اشاعت کی اہمیت

دمشق کے مشہور عالم محمد سعید الحمزاوی لکھتے ہیں :-

"والواقع ان ترجمة القرآن الكريم اثارت فی الفترة الاخيرة كثيراً من الجدل والنقاش فی اطراف العالم الاسلامی غير ان هذا الجدل تكشف عن حقيقة كبيرة آمن بها الجميع و هی ان الاسلام سيظل فی معزل عن التيارات الفكرية التی تأخذ العالم من اقطاره كلها ان هو لم يعرض عرضاً واضحاً وان هو لم تنشر منه آياته البيّنات وتعاليمه المحكمات"۔

ترجمہ :- یہ واقعہ ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کرنیکے بارے میں گزشتہ دنوں دنیائے اسلام میں بہت لے دے ہو چکی ہے۔ بہرحال اس سے یہ واضح حقیقت سب پر کھل چکی ہے اور سب کو اسے ماننا پڑا ہے کہ آج جو علمی نظریات اور فکری لہریں تمام دنیا پر حاوی ہو رہی ہیں یہ پورے طور پر غالب آجائینگی اگر انکے مقابلہ پر اسلام کو صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش نہ کیا گیا اور اسکے واضح دلائل اور محکم تعلیمات کی اشاعت نہ کی گئی"۔

(عربی رسالہ المواہب ارجنٹائن (امریکہ) شوال ۱۳۷۲ھ صفحہ ۱۵)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ممالکِ عربیہ میں بھی یہ احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت اشد ضروری ہے ؛

تحقیقِ اُمّ الالسنہ

یعنی

عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کا قطعی ثبوت

(۱۱)

یورپ اور تحقیقِ السنہ

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ - لائل پور)

قدامت تاریخی لحاظ سے زبانوں کا سُراغ تقریباً چار ہزار سال سے آگے نہیں چلتا۔ وجہ یہ ہے کہ فنِ تحریر انسان نے بہت بعد سیکھا ہے۔ زبانیں شروع میں بولی جاتی تھیں اور بہت عرصہ بعد ضبطِ تحریر میں آئیں۔ زبان کا قیام و بقا نطق و سماع پر موقوف ہے نہ کہ قرطاس و قرأت پر۔ پس قدیم ترین کتبے کسی زبان کی قدامت کا معیار نہیں ہو سکتے۔

جو کتبے یا تحریریں ملتی ہیں اُن کی قدامت کا حال حسبِ ذیل ہے:-

۱- سمیری زبان کے کتبے ۴ ہزار سال قبل مسیح۔ میسوپوٹیمیا میں

۲- Elamite کتبے ۲ " " " فارس میں

۳- وید خصوصاً رگوید ۱۲۰۰ سے ۲ " " ہند میں

۴- Cossean کتبے ۱۶۰۰ " " میسوپوٹیمیا میں

۵- Hittite زبان کے کتبے ۱۴۰۰ " " ایشیائے کوچک میں

۶- قدیم عربی زبان کے کتبے ۸۰۰ سال قبل مسیح

۷- اوستا (زرتشتیوں کی کتاب) ۶۰۰ " "

۸- اشوک کے کتبے ۳۰۰ " "

ظاہر ہے کہ کسی قوم یا زبان میں کتبوں یا تحریروں کا پایا جانا زیادہ سے زیادہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فنِ تحریر سے آشنا تھی اور اُسے کتبے قائم کرنے کا شوق تھا۔ لیکن زبان کی قدامت کا مسئلہ کتبوں کے ملنے یا نہ ملنے سے طے نہیں ہو سکتا اور لامحالہ ہمیں دیگر قرائن سے کام لینا پڑیگا۔ اور کسی زبان کا قدیم یا اُمّ الالسنہ ہونا زبانوں کے موازنے اور داخلی شہادت سے ہی ثابت ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ بعض زبانیں جو کسی زمانے میں بولی جاتی تھیں اب ناپید ہو چکی ہیں جیسا کہ بعض طیور و وحوش جو کسی زمانے میں سطحِ زمین پر آباد تھے اب نایاب ہیں۔

یورپ اور زبانوں کا موازنہ جاننا چاہیئے کہ جہاں تک دُنیا کی مختلف زبانوں کے موازنہ اور مطالعہ کا تعلق ہے یعنی فلالوجی یا علم الالسنہ، یہ بہت پُرانی سائنس نہیں ہے۔ بلکہ اِس علم کا آغاز انیسویں صدی کے قریب قریب ہوا ہے۔ اور وہ بھی ایک حُسنِ اتفاق کی بنا پر۔

اہلِ یورپ ہندوستان کے متعلق بہت کم علم رکھتے تھے تا آنکہ انگریزوں اور فرانسیسوں کے درمیان ہندوستان کی دولت کے لئے رقابت شروع ہوئی اور اسکے نتیجے میں یہاں کے ادب و انشاء کو بھی دونو قوموں نے حاصل کرنا چاہا۔

۱۷۶۷ء کی بات ہے کہ فرانسیسی مشنری کوردڈ کس نامی نے ہندوستان سے ایک فرانسیسی ادارے کو ایک یادداشت بھیجی جس میں یہ توجہ دلانا مقصود تھا کہ سنسکرت اور لاطینی زبانوں کے بعض الفاظ ملتے جلتے ہیں اور دونو زبانوں کی گرامر میں بھی کچھ مشابہت ہے۔

اس کے بعد بعض دیگر علماء نے بھی یہی نظریہ اختیار کرلیا۔ سر ولیم جونس یورپ میں پہلا سنسکرت دان شمار ہوتا ہے۔ ۱۷۹۶ء میں اُس کا ایک قول تاریخِ زبان کے بارے میں مستند سمجھا گیا۔ وَھُوَ ھٰذَا :-

"قدامت کے ادعا سے قطعِ نظر سنسکرت ایک حیرت انگیز زبان ہے۔ یہ یونانی زبان سے مکمل تر، لاطینی زبان سے وسیع تر اور ان دونو زبانوں سے زیادہ لطیف اور خالص ہے لیکن مصادر، الفاظ کے رُوٹ اور وضع صرف و نحو کے لحاظ سے اِن زبانوں اور سنسکرت میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور جب کوئی ماہرِ لسانیات اِن تینوں زبانوں کا مطالعہ کرے گا تو اُسے ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں زبانیں ایک ہی ماخذ سے نکلی ہیں اور وہ مشترک ماخذ شاید اب موجود نہیں رہا۔"

(علم اللسان مصنفہ جسفرسن ص۳۳)

سر ولیم کا یہ مقولہ تحقیق السنہ کے باب میں "کلّ جدید لذیذ" کا مصداق بن گیا۔ سر ولیم نے خود کوئی موازنہ زبانوں کا نہیں کیا۔ لیکن بعد میں آنے والے علماء نے مندرجہ صدر اشارے کو مشعلِ راہ بنایا اور سنسکرت کو مدِّ نظر رکھ کر زبانوں کا موازنہ شروع کیا اور متعدد تصانیف اِس بارے میں خصوصاً جرمن مستشرقین کے قلم سے شائع ہوئیں اور موازنہ السنہ کے پہلو بہ پہلو یہ سوال بھی اُٹھتا رہا کہ زبان کا آغاز کس طریق پر ہوا اور دُنیا کی مختلف زبانوں میں کیا ربط و تناسب ہے۔ غرضیکہ سر ولیم کا مندرجہ صدر قول تحقیق السنہ کی عمارت کیلئے خشتِ اوّل تھی جس پر مسٹر Bopp (۱۷۹۱ تا ۱۸۶۷) اور روتھنی، گرم اور پاٹ وغیرہ دیگر علمائے السنہ نے مزید ردے رکھے اور رفتہ رفتہ یورپ میں یہ نظریہ مستحکم ہوگیا کہ دُنیا کی زبانیں تین بڑے خاندانوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔

۱- آرین یا انڈو یورپین یا انڈو جرمن خاندان - یہ تینوں اصطلاحیں دراصل ایک ہی نقطۂ خیال کو تین مختلف ناموں سے تعبیر کرتی ہیں۔ لفظ آرین میں اِس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ سنسکرت ماخذ

اس خاندان کا ہے۔ انڈو یورپین لفظ میں یہ جتانا مطلوب ہے کہ یورپ اور ہندوستان کی زبانیں ایک منبع سے نکلی ہیں۔ اور لفظ انڈو جرمن میں یہ تاکید ہے کہ جرمن زبان اور سنسکرت بڑی بہنیں ہیں۔ غرضیکہ آرین خاندان میں ہندوستان، ایران اور یورپ کی سب زبانیں شامل کی جاتی ہیں۔

۲۔ سامی خاندان (منسوب بہ سام بن نوحؑ) جس میں عبرانی، سُریانی، آرامی اور عربی وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ حامی خاندان (منسوب بہ حام بن نوحؑ) جس میں قدیم مصری زبان اور شمالی افریقہ اور افریقہ کی دوسری زبانیں ہیں۔

نوٹ۔ چینی زبان کو بجائے خود علیحدہ زبان سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں الفاظ بالعموم ایک ہی سلیبل رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا تین بڑے خاندان زبانوں کے شمار کئے جاتے ہیں جن میں مشرق اور مغرب کی تقریباً سب زبانیں آجاتی ہیں۔ اس تثلیث کو توڑنا اور عربی زبان کو تمام زبانوں کی ماں ثابت کرنا یعنی توحید کی اشاعت کرنا جماعت احمدیہ کے لئے علمی رنگ میں بھی مقدر ہے۔

سرولیم کی رہنمائی کے علاوہ ایک اور بات بھی اہلِ یورپ کے لئے سنسکرت کے مطالعہ کا باعث ہوئی۔ پانینی (Panini) سنسکرت کے صرف و نحو کا بہترین عالم شمار ہوتا ہے۔ اس کا زمانہ ۳۵۰ تا ۲۵۰ قبل مسیح ہے۔ پانینی کی تصنیف کردہ گرامر اور سنسکرت زبان کے اصول و قواعد کا انضباط ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے اور مصنف کے علم و فضل، محنت اور جانسوزی کا آئینہ دار ہے۔ چونکہ یورپ میں علم اللسان ابھی ابتدائی حالت میں تھا اسلئے پانینی کے علم و فضل نے اہلِ یورپ کو خاص طور پر متاثر کیا اور اُن سے خراجِ تحسین حاصل کیا اور اُن کے سمندِ تحقیق کے لئے یہ امر بھی ایک تازیانہ ثابت ہوا۔ حتیٰ کہ سنسکرت کا جاننا مستشرقین کے فضل و کمال کا معیار ٹھہر گیا اور اس طریق پر اُن کی تمام تر توجہ سنسکرت پر مرتکز ہو گئی۔ اور چونکہ طبائع پر یہ اثر تھا کہ آرین خاندان زبانوں کا سب سے پُرانا خاندان ہے جس میں سنسکرت، یونانی اور لاطینی شامل ہے اسلئے لُغت نویسوں نے اس کوشش میں غلو کیا کہ الفاظ کے رُوٹ کسی نہ کسی طرح اِن تینوں زبانوں تک پہنچا دیئے جائیں تو غایتِ مقصود حاصل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مندرجہ صدر تاثرات اور نفسیاتی کیفیت کے لحاظ سے عربی کی طرف توجہ منعطف نہیں ہو سکتی تھی یعنی الفاظ کے ماخذ دریافت کرنے کے لحاظ سے۔

آغازِ زبان کا مسئلہ زبانوں کے موازنے کے پہلو بہ پہلو آغازِ زبان کا مسئلہ بھی اُٹھتا رہا۔ یعنی یہ سوال کہ ابتداء میں زبان خدا تعالیٰ نے انسان کو سکھائی یا خود انسان نے وضع کی۔ آیا پہلے ہی وہ گفتگو کرنے پر قادر تھا یا گونگا تھا؟ مختلف زبانیں دُنیا میں کس طرح پیدا ہوئیں، ان میں باہمی کیا رشتہ اور تعلق ہے؟ اِن مسائل پر جو نظریے قائم ہوئے ان کی تردید و تکذیب ہوتی رہی ہے۔ اور اب تک اِس بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں ہو سکا کہ زبان کی بناء دُنیا میں کیونکر پڑی۔ میکس مُلر کا یہ نظریہ کہ زبان کی ابتداء جاندار یا بے جان چیزوں کی آوازوں کی نقالی سے ہوئی قطعاً غلط قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ خود میکس مُلر نے اِس

عقیدے سے رجوع کر لیا تھا (جسفرسن ص۴۱) - اور بقول علامہ جسفرسن "جو نظریے آغازِ زبان کے بارہ میں میکس مُلر، وہٹنی وغیرہ علمائے السنہ نے قائم کئے تھے اور جس سر بفلک عمارت کو اُنہوں نے دائم قائم تصور کیا تھا وہ عمارت خاک کا ڈھیر ہو چکی ہے۔" (جسفرسن ص۴۳)

اور علامہ موصوف کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ انسان شروع میں بات کرنے پر قادر نہ ہو اور یہ کہ اُسکے قوائے نطق بعد کی پیداوار اور آورد ہوں۔ اُن کے نزدیک حق یہی ہے کہ مانا جائے کہ انسان کی خِلقت میں قُوّتِ گویائی ودیعت تھی۔

جسفرسن کی جرح اِس بارے میں بڑی لطیف اور معقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زبان کی ابتداء کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جب سے انسان اِس رُبعِ مسکون پر آباد ہے حیوانِ ناطق پایا جاتا ہے۔ پس اس کی قُوّتِ گویائی کی بناء پر ابتدائے زبان کے مسئلے کی تحقیق ہونی چاہیئے اور علم سے علم کی طرف رہنمائی ہونی چاہیئے نہ کہ لاعلمی سے علم کی طرف یعنی روشنی میں گم شدہ چیز کو تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ اندھیرے میں۔ اور یہ امر کہ زبان کی ابتداء کیا تھی ہمارے لئے ایک اندھیرا اور لاعلمی نہیں تو اَور کیا ہے۔ یہ ہے خلاصہ صاحب موصوف کے استدلال کا۔ مطلب یہ کہ عدمِ علم سے عدمِ شے لازم نہیں آتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دلیل کو نہایت واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ حضورؑ کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"اور تیرے دل میں یہ بات خلجان پیدا نہ کرے کہ انسان بولتا ہوا اور باتیں کرتا ہوا پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کمال کو بذریعہ تعلیم پاتا ہے جیسا کہ ہم یقینی طور پر مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اعتراض دراصل تیرے خلاف ہے نہ کہ تیرے حق میں۔ پس اپنے حال کو درست کر اور اپنے دل کو خوابیدہ لوگوں کی طرح غافل مت کر۔ کیونکہ جب تُو نے قبول کر لیا کہ بولنا صرف تعلیم کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے سو تجھے اِس بات کا قبول کرنا بھی لازم آگیا کہ پہلا انسان بھی بجز سمجھانے کے خود بخود نہیں سمجھ سکا۔ پس اِس صورت میں تو تُو نے اس بات کا اقرار کر دیا جس کا تُو نے انکار کر دیا تھا۔ یہی درست ہے اگر تُو سوچے اور فکر کرے۔ اور یہ بات تحقیق شدہ ہے اور لوگ آزما چکے اور آزمائش اور قیاس نے بالاتفاق یہ گواہی دی کہ بچے جو پیدا ہوتے ہیں اگر وہ بے تعلیم چھوڑے جائیں اور کوئی سکھانے والا اُن کو زبان نہ سکھاوے پس وہ خود بخود بولنے پر قادر نہیں ہوسکتے اور نہ بُلانے والوں کو جواب دے سکتے ہیں۔ بلکہ گونگوں کی طرح چُپ رہتے ہیں۔ پس اِس سے بڑھ کر اُس شخص کیلئے کونسی واضح دلیل ہوگی جو طالب اور امین ہے۔ جو گمراہوں کی راہ پر نہیں چلتا۔"

"اور یہ بات اعلیٰ بدیہیات سے ہے کہ آدم خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے پیدا کیا گیا اور

اُس وقت کوئی معلّم یا معلّمہ آدم کے ساتھ موجود نہ تھا۔ پس ثابت ہوا کہ آدم کا معلّم اور بولی سکھانے والا خدا تعالیٰ ہی تھا۔ کیا تُو قادر زبردست خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتا؟"

(منن الرحمٰن صـ۵۲)

"خدا تعالےٰ نے تمام جانداروں میں سے نُطق کو بشر کے ساتھ خاص کیا ہے۔ پس جیسا کہ انسان نے زندگی کو صرف خدا تعالےٰ سے پایا ہے اسی طرح اُس نے بولنے کو بھی صرف اُس محسنِ حقیقی سے پایا ہے۔ اور یہی سچی بات ہے کیا تُو اُن لوگوں میں سے ہے جو شک کرتے ہیں۔ اور اگر تجھے یہ گمان ہے کہ تیری ماں نے تجھے بولنا سکھایا۔ سو تیری پہلی ماں کو کس نے بولنا سکھایا تھا۔" (منن الرحمٰن صـ۶۳)

نقّارخانے میں طوطی کی آواز | سنسکرت کے متعلق یہ نظریہ کہ وہ آرین یا انڈو یورپین زبانوں کی ماں ہے، گو شروع میں مقبول رہا لیکن بالآخر اس میں بھی علمائے یورپ کو ترمیم کرنی پڑی۔ اُوپر سر ولیم کا قول درج ہو چکا ہے کہ سنسکرت لاطینی اور یونانی زبانوں میں بہت کچھ مشارکت ہے لیکن ساتھ ہی صاحب موصوف کو اعتراف ہے کہ اِن تینوں زبانوں سے پہلے ایک اور زبان تھی جو اِن تینوں کی ماں تھی۔

اِس ترمیم کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ جہاں تینوں زبانوں کے سرمایۂ الفاظ میں بہت سی مشارکت پائی جاتی ہے کثیر سرمایہ ایسا بھی ہے جو مشترک نہیں بلکہ مغائر ہے یعنی لاطینی اور یونانی کے کثیر الفاظ ایسے بھی ہیں جو سنسکرت میں نہیں ملتے۔ و بالعکس۔ اسلئے لامحالہ عقل نے تقاضا کیا کہ سنسکرت کی بجائے قبل از سنسکرت ایک اور زبان کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔ جس میں اِن تینوں زبانوں کے الفاظ موجود ہوں۔ گویا اِس نقارخانے میں گاہ گاہ طوطی کی آواز بھی بلند ہوتی رہی ہے اور اقوالِ ذیل اسکے شاہد ہیں۔ (مصنّفین کے نام سے اُن کی کتاب علم اللسان کے صفحات درج کئے گئے ہیں)

(ا) "زبانوں کے اشتراک کے بارے میں پُرانی پریشان خیالیاں کچھ عرصہ تک مقبول رہیں۔ اور یہ خیال کیا گیا کہ یورپ کی زبانیں سنسکرت سے نکلی ہیں لیکن جلد ہی اِس رائے کو بدلنا پڑا اور ایک دوسرا اقرب بہ صواب نظریہ اختیار کرنا پڑا کہ زمانہ قبل از تاریخ میں ایک اور زبان بھی جسے "زبان قبل از آرین" یا "قبل از انڈو یورپین زبان" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں جس نے رفتہ رفتہ سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانوں کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔"

(بلوم فیلڈ صـ۱۲)

یہ نظریہ سر ولیم جونس نے ۱۷۸۶ء میں پیش کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ شاید وہ قدیم تر زبان اب دُنیا میں باقی نہیں رہی۔ یہ "شاید" کا لفظ بہت قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اِس انکار میں اقرار کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

(ب) بعض علماء نے عبرانی زبان کو تمام زبانوں کا منبع قرار

دیا لیکن دوسرے علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

(بلوم فیلڈ ص۶)

(ج) جرمن ماہرِ لسانیات مسٹر Bopp جو سنسکرت کا بہت بڑا فاضل تھا کہتا ہے:—

"میرا میلان طبع اِس طرف ہے۔ کہ خود سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانیں ایک قدیم تر زبان سے متفرع قرار دی جائیں۔ اور وہ قدیم تر زبان سنسکرت میں بہ نسبت دوسری زبانوں کے زیادہ محفوظ رہ گئی ہے۔"

(جسفرسن ص۴)

(د) "شاید ابتداء میں کل تین یا چار زبانیں ہوں گی لیکن یہ بھی ممکن ہے (گو غیر اغلب ہے) کہ ایک اور صرف ایک ہی زبان ابتداء میں ہو۔ لیکن ہمارے پاس اِس بات کا بھی ثبوت نہیں۔ کہ ابتداء میں تین یا چار زبانیں تھیں۔ اور جب کسی قائل کو معلوم ہو کہ اس کی تردید کیلئے واقعاتی ثبوت موجود نہیں ہیں تو اس کے لئے کسی نظریہ کا قائم کرلینا اور نادر خیالات کا اظہار کر دینا بڑا سہل ہوتا ہے۔" (پادٹرج ص۲)

(ہ) "ہو سکتا ہے کہ سامی زبانیں (عبرانی، سُریانی، عربی وغیرہ) انڈو یورپین خاندان کے اندر ابتداء میں شامل ہوں لیکن یہ امر ابھی تک قطعی طور پر ثابت نہیں ہو سکا۔" (پادٹرج ص۶)

مندرجہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے کہ علماء کو اس بات پر ہرگز تسلی نہیں کہ سنسکرت اُمّ الالسنہ ہے بلکہ رفتہ رفتہ وہ اِس طرف آتے گئے ہیں کہ کوئی اور زبان سنسکرت کی ماں تھی۔ اور اس سے بھی آگے اُن کی نظر مجبور ہو کر گئی ہے کہ دُنیا کی کُل زبانوں کا ایک زبان سے ماخوذ و متفرع ہونا قرین قیاس ہے۔ ہاں ثبوت کی ضرورت ہے۔ اِس آخری نظریہ کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے نظریے دل کو سکینت و اطمینان نہیں دے سکتے اور کوئی نہ کوئی دغدغہ اور خرخشہ ضرور باقی رہتا ہے۔ حوالجات مذکورہ علماء کی اس نفسیاتی کیفیت کے غماز ہیں۔

علاوہ ازیں خود لفظ سنسکرت اِس بات کی تردید کرتا ہے کہ وہ اُمّ الالسنہ یا قدیم ترین زبان ہو۔ کیونکہ سنسکرت کے معنی ہیں "صاف یا آراستہ کی گئی"۔ اِس سے ظاہر ہے کہ کسی سابقہ زبان کو بخیالِ خود صیقل کر کے سنسکرت کی موجودہ شکل قائم کی گئی ہے اور پہلے اُس کی اور شکل تھی جس میں بزعم خود آراستگی بروئے کار لائی گئی۔ وہ آراستگی کیا تھی۔ یہ ہم آئندہ ایک قسط میں بیان کرینگے انشاء اللہ۔

خلاصۂ کلام۔ القصہ تاریخی کتبے کسی زبان کی قدامت کا ثبوت نہیں ہو سکتے۔ اور فلالوجی ابھی ایک نیا علم ہے سنسکرت کا مطالعہ یورپ والوں نے اپنی علم دوستی کی وجہ سے کیا۔ اور گو پہلے اُسے انڈو یورپین زبانوں کی ماں سمجھا گیا لیکن رفتہ رفتہ اِس نظریے کی تردید ہو گئی اور کسی اور زبان کو آرین زبانوں کی ماں تصور کیا گیا۔ اور بعض کا میلانِ طبع یہ بھی ہے کہ دُنیا کی تمام زبانوں کا مخرج اور منبع ایک اور صرف ایک زبان کا ہونا بھی ممکن ہے بشرطیکہ ثبوت بہم پہنچایا جائے۔ اِس رفتار سے ظاہر

ہے کہ ؎

آرہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار

قدم بہ قدم علماء اس طرف آتے گئے ہیں کہ ابتداء میں ایک ہی زبان کا ہونا قرینِ قیاس اور عند العقل ممکن ہے مگر اس کا ثبوت درکار ہے اور بس۔ تحقیق و تدقیق کے بعد علمائے یورپ کا یہ وہ آخری حرف ہے جو ۱۸۹۵ء سے جماعتِ احمدیہ کا حرفِ اوّل ہے۔ جو بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلام و الہامِ الٰہی کی روشنی میں اور نیز عقل و درایت کی رُو سے دُنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ یہ دونوں امور منن الرحمٰن میں درج ہیں اور حسب منطوق و اختلاف السنتکم والوانکم انّ فی ذٰلک لاٰیٰت للعٰلمین قرآن شریف نے سب سے پہلے اشتراکِ السنہ کی طرف توجہ دلائی۔

اُوپر کے حوالوں سے ظاہر ہے کہ کسی زبان کے قدیم یا اُمّ الالسنہ ہونے کا سوال علمائے یورپ کے نزدیک ابھی تشنۂ تحقیق اور امرِ تنقیح طلب ہے نہ کہ نزاعِ فیصل شدہ۔

ایک سوال یہاں پر طبعاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ سنسکرت سے قبل ایک زبان کا وجود محققین کو تسلیم ہے۔ لیکن اُس زبان کی دُنیا میں اب تک موجودگی کے بارہ میں انہیں شک ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات مذکورہ۔ پس سوال یہ ہے کہ وہ قدیم تر زبان جس کے برگ و بار سنسکرت میں پیدا ہیں، جس کے ازہار و اثمار لاطینی میں ہویدا اور جس کے اظلال و آثار یونانی میں نمایاں ہیں، وہ اس قدر وسیع زبان جس کی رنگ و بُو مشرق و مغرب پر چھا گئی خود دُنیا سے کس طرح ناپید ہو گئی۔ وہ کوئی چھوٹی سی چیونٹی نہ تھی جو گم یا نظر سے اوجھل ہو گئی بلکہ وہ ایک ہاتھی معہ ہودہ تھی جو غائب اور بے سُراغ ہے۔ یہ ایک سوال ہے جو علماء نے ضمناً اُٹھایا ہے:۔

(الف) "یہ ایک تاریخی حادثہ ہے کہ اِن زبانوں (سنسکرت، لاطینی، یونانی) کے متعلق ہمارے پاس کوئی تاریخی ریکارڈ موجود نہیں ہے کہ ابتدائی حالت میں یہ کس طرح بولی جاتی تھیں۔ پیشتر اسکے کہ ان میں تفرقہ واقع ہوا" (بلوم فیلڈ صہ ۱۳)

"اور نہیں معلوم کہ ابتداء میں الفاظ مفرد سے مرکّب کیونکر بنے" (بلوم فیلڈ صہ ۱۷)

(ب) اسی خیال نے سر وکیم کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ "شاید" وہ زبان اب دُنیا میں موجود نہیں۔

(ج) اور اسی خیال نے مسٹر پارٹرج کو گدگدایا کہ ممکن ہے ابتداء میں سامی زبانیں اور انڈو یورپین زبانیں ایک ہی خاندان میں شامل ہوں۔

علماء کے اِس تذبذب سے ظاہر ہے کہ صداقت پسِ پردہ جھانک رہی ہے اور جلوہ آرائی کی منتظر ہے اور یہی وہ فتح باب ہے جو انشاء اللہ جماعت احمدیہ کے ہاتھ سے عمل میں آئے گا اور عربی زبان کا اُمّ الالسنہ ہونا دُنیا پر ثابت ہو کر رہے گا۔ تا خدا تعالےٰ کی توحید و تفرید اور اسلام اور قرآنِ حکیم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمدیت کی صداقت مہرِ نیمروز کی طرح روشن ہو۔

عربی کا اُمّ الالسنہ ہونا جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا علماء کی تحقیق نے ہمارے راستہ کو بہت کچھ صاف اور ہموار کر دیا ہے اور ہمارے لئے اب یہ دکھانا باقی ہے کہ عربی سے سنسکرت، لاطینی اور یونانی کی مشارکت ثابت کر دیں۔ تا ان سے پہلے جو زبان تھی اُس کا وجود متحقق ہو جائے خصوصاً وہ الفاظ جو اِن زبانوں میں مشترک نہیں اور ایک چوتھی زبان کو چاہتے ہیں اُن کا عربی سے ماخوذ ہونا ہم ثابت کر دیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

یہ بھی ایک تصرّفِ الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ اِن علماء کی توجہ عربی کی طرف نہیں گئی کیونکہ منشاءِ الٰہی تھا کہ یہ امرِ آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کے ہاتھوں سے تکمیل پائے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اِس علم کی بنیاد بہت پیشتر سے ڈالدی اور غیروں کے قلم سے ایسے نظریے تسلیم کرا دیئے جو تحقیق اُمّ الالسنہ کے بارے میں مفید ہوں۔ اور مخالف کو اُس کے مسلّمات سے قائل کیا جا سکے۔

پس ہماری منزلِ مقصود بفضلِ ایزدی دُور نہیں رہی۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ آرین زبانیں عربی سے نکلی ہیں تو عربی کا قدیم ترین اور کامل اور مکمل زبان ہونا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن ابھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیا زبان انسان کو خدا تعالیٰ نے سکھائی یا اُس نے خود وضع کی۔ لیکن علمائے السنہ جو زبان کے الہاماً سکھائے جانے کے قائل نہیں تو اس کی وجہ وہ زبانوں کا نامکمل ہونا بیان کرتے ہیں ورنہ انہیں تسلیم ہے کہ اگر کوئی زبان مکمل ثابت ہو تو بالضرور وہ خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہوگی نہ کہ انسان کی۔ ملاحظہ ہوں حوالجاتِ ذیل:۔

(ا) میکس مُلر کا قول ہے کہ:۔

"زبان کی غرض اظہارِ مدعا ہے۔ اسلئے الفاظ ایسے ہونے ضروری ہیں کہ اِس مدعا کو پُوری طرح ادا کر سکیں نہ کم نہ زیادہ۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ زبان کسی علیم کُل اور قادرِ مطلق ہستی نے بنائی ہو لیکن چونکہ زبان نامکمل انسانوں کے ذریعہ سے ہی ترقی پذیر ہوئی ہے اسلئے ہر طرح ممکن ہے کہ ادائے مفہوم میں انسان ناکام رہے ہوں۔ اور اسے بلاکم و کاست ادا نہ کر سکے ہوں۔" (جسفرسن صفحہ ۳۱۶)

(ب) "آئندہ آنے والے علمائے السنہ کو چاہیئے کہ بمقابلہ حقیقت کے اپنی لاعلمی کا اعتراف کریں۔" (جسفرسن صفحہ ۳۱۸)

(ج) "کوئی زبان بھی مکمّل نہیں ہے اسلئے مختلف زبانوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور چھوٹی سے چھوٹی زبان بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ لاطینی اور یونانی کو سب زبانوں سے بہتر سمجھ لینا غلطی ہے۔" (جسفرسن صفحہ ۳۳۲)

احادیثِ نزولِ عیسیٰؑ کے راویوں کی تحقیق!

جناب قاضی محمد یوسف صاحب - پشاور

محترم تمنا صاحب کا ایک مضمون رسالہ طلوع اسلام کراچی ماہ اگست ۱۹۵۳ء میں میری نظر سے گذرا۔ تمنا صاحب صحیح بخاری کی احادیث نزولِ عیسیٰ کے راویوں کی تحقیقات میں نہایت سُوء ظنی میں مبتلا نظر آئے۔ انکی اصل غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ راوی حدیث کا تعین نہیں ہوسکتا لہذا امام بخاریؒ ہی نے محض سینہ زوری سے یہ بے سند احادیث اُمتِ محمدیہ کے گلے مڑھ دی ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں کوئی عیسیٰ آئے گا۔

محترم تمنا صاحب نے صاف اعلان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ ازروئے قرآن کریم فوت ہوچکے ہیں اور دوبارہ کسی فوت شدہ انسان کے ظہور اور آمد کا انتظار خلاف سُنّت اللہ و کلام اللہ ہے۔ ہمارا بھی اس اعلان پر صاد ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

لیکن تمنا صاحب سراپا تمنا ہیں کہ خدا کرے قرآن کریم میں کسی عیسیٰ کی آمد اور ظہور کا ذکر موجود نہ ہو اور احادیث صحیح بخاری کو خود وہ مشکوک کر دکھاویں گے اس طرح کسی عیسیٰ کا انتظار صرف عجم کا افترا دہ جائے گا اور اُن کی جان حضرت احمدؑ قادیانی کے مثیلِ عیسیٰ ہونے سے چھوٹ جائیگی۔ احادیث کو بے اعتبار ثابت کرکے محض ظن کہیں گے اور ظن کسی نبی کے دعویٰ کی بُنیاد کیونکر ہوسکتا ہے بس سارا قصہ ختم ہوجائے گا۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ محترم تمنا صاحب کی تمنا پوری نہ ہوئی کیونکہ ان کی گاڑی غلط راستہ پر چل پڑی ہے اس واسطے منزلِ مقصود بھی غلط ثابت ہوئی۔

نہ تو حضرت احمدؑ کا دعویٰ ہے کہ میرے دعویٰ کی بُنیاد احادیث ہیں اور نہ کوئی احمدی ایسا یقین رکھتا ہے بلکہ ہر نبی اور رسول کا دعویٰ صرف کلام اللہ یا اپنی وحی پر ہوتا ہے اور حضرت احمدؑ کا دعویٰ بھی صرف اپنی وحی اور قرآن کریم پر مبنی ہے جو کلام اللہ ہیں اور کسی حدیث پر ان کے دعویٰ کی بنیاد نہیں۔ پس یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔

محترم تمنا صاحب نے ایک نوٹ حاشیہ میں لکھا ہے کہ آپنے کسی احمدی سے کسی وقت کوئی مباحثہ کیا جو آج تک طبع نہ ہوسکا نہ دُنیا اُن کے دعویٰ اور دلائل سے واقف ہوئی مگر اعلان فرمایا کہ احمدی کو شکست ہوئی اور دم مارنے کا موقع نہ ملا۔ لہذا ہم بھی داد فتح دیتے ہیں تاکہ تمنا صاحب کی تمنا بہت جلد پوری ہو اگرچہ فریقین کے دلائل سے دُنیا واقف نہ ہو۔

محترم تمنا صاحب کی دوسری تمنا یہ تھی کہ صحیح بخاری کی احادیث در بارہ نزولِ عیسیٰ کے راوی اگر مشکوک کر دیئے جاویں تو حضرت احمدؑ قادیانی کے دعویٰ مثیلِ عیسیٰ ہونے کی بنیاد گر کر دعویٰ کو باطل کر دیگی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ تمنا بھی پوری نہ ہوئی۔

احادیث کی صحت کے بارے میں ان کی نظر مَن قال پر ہے یعنی راویانِ حدیث سے۔ اور احمدی کی نظر ما قال پر یعنی کیا وہ حدیث جو زیرِ بحث ہے کلام اللہ یعنی قرآن کریم کی توضیح و تشریح اور تفسیر کر رہی ہے یا اس کے خلاف قرآن کریم کے

تردید کر رہی اور خلاف کہہ رہی ہے۔

اگر خود قرآن کریم ہی سلسلۂ مماثلت کا قائل ہو، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل حضرت موسیٰؑ کہتا ہو، خلفاء اُمتِ محمدیہ کو خلفاء اُمتِ موسویہ کا مثیل ٹھہراتا ہو اور آنیوالے مثیلِ عیسیٰ کو حضرت عیسیٰؑ کا مثیل کہتا ہو اور ان کے ظہور کو لازمی اور یقینی ٹھہرا کر سلسلۂ خلفاء محمدیہ کو سلسلۂ خلفاء موسویہ کی تکمیل قرار دیتا ہو، تو احادیث محض اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ آنے والا بوجہ غایت درجہ مشابہت کے عیسیٰ اور ابن مریم اور المسیح کہلایا جیسا کہ حضرت مریمؑ کو مریم بنت عمران اور اُختِ ہارون کا خطاب دیا گیا اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اہلِ عرب نے ابن ابی کبشہ ٹھہرایا۔ اور سخی کو حاتم اور بہادر کو رستم کہتے ہیں۔

ہم بطور مزید تشریح کسی قدر مختصر سا نقشہ قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں اور مفصل حضرت احمدؑ کی کتب میں موجود ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت مثیل موسیٰ

(۱) خدا تعالیٰ کلام اللہ میں فرماتا ہے :-

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (سورۃ مزمل آیت ۱۶)

اے مومنو! ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجا ہے جو تمہارے اُوپر شاھد یا گواہ ہے۔ یہ اُس عظیم الشان رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے مانند یا اس کا مثل ہے جو ہم نے فرعونِ مصر کی طرف بھیجا تھا۔"

اِس آیت میں لفظ کَمَا جو حرفِ تشبیہہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ کا مثیل اور مانند ثابت کرتا ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ سورۂ احقاف آیت ۱۱ میں شَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فرما کر وضاحت کرتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عظیم الشان شاہد رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے مثیل یا مثیل موسیٰؑ (حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کی خبر دی ہے جو توریت کتاب استثناء باب ۱۸ - آیت ۱۵ - ۱۸ میں مذکور ہے :-

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اس کی طرف کان دھریو۔" (آیت ۱۵)

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" (آیت ۱۸)

توریت میں حضرت موسیٰؑ نے خدا کے علم سے خبر دی ہے، کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسماعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت موسیٰؑ کے مانند یا مثل ظاہر کرے گا۔ توریت میں "مانند" کے الفاظ ہیں اور قرآن کریم میں "کَمَا" اور "مِثْل" کے الفاظ ہیں جو تینوں ہم معنی ہیں۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ثابت ہیں۔ توریت استثناء باب ۳۳۔ آیت ۱-۲ میں اس نبی مثیل موسیٰ کو وادی فاران سے جلوہ گر ہونے کی خبر دی ہے اور اس کو روشن شریعت کا شارع قرار دیا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ توریت یا شریعت موسویہ کے شارع گذرے ہیں۔

سلسلۂ خلفاء موسویہ

(۱) خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَقَدْ آتَيْنَا

مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (سورۃ البقرہ آیت ۵۴) یعنی ہم نے حضرت موسیٰؑ کو الکتاب یا کتاب الشریعت دی جس کو توریت یا صحفِ موسیٰ اور کتاب موسیٰ بھی کہا گیا ہے۔ پس سلسلۂ خلفاء موسویہ میں آغاز کے نبی اور شارع رسول حضرت موسیٰؑ ہوئے ہیں۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۳ میں توریت کہا ہے، سورۃ الاعلیٰ آیت ۲۰ میں صُحفِ موسیٰ کہا ہے اور سورۃ احقاف آیت ۱۱ میں کتاب موسیٰ کہا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت یوشعؑ نبی سے لیکر حضرت یحییٰؑ نبی تک بارہ سو سال کا زمانہ ہوتا ہے اور اس زمانہ میں بارہ نقیب مبعوث ہوتے جیسا کہ اسی آیت میں مذکور ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔

(سورۃ المائدہ آیت ۱۳)

یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت کی شریعت کی پابندی کا میثاق لیا اور اس میثاق کی تعمیل کے واسطے ان میں ہم نے بارہ نگران یا محافظ مبعوث کئے۔ ہر محافظ قریباً سو سال بعد مبعوث ہوا۔

ان نقیبوں کو سورۃ البقرہ میں قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ کہہ کر الرسل سے یاد کیا گیا ہے اور لفظ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ میں ان رسل کو حضرت موسیٰؑ کے بعد اُن کا نائب، جانشین اور خلفاء ظاہر کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے تابع اور توریت کی شریعت کے پیرو تھے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ج يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ج (سورۃ المائدہ۔ آیت ۴۴) یعنی توریت (حضرت موسیٰؑ پر) نازل کی تھی اسمیں ہدایت اور نور ہے۔ اس توریت پر انبیاء جو حضرت موسیٰؑ اور توریت کے تابع تھے یہودیوں کے تنازعات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ نیز ربانی لوگ (جو اُمتِ محمدیہ میں محدث اور مجدد کہلاتے تھے) اور علماء صالحین بسبب اس کے کہ ان لوگوں سے کتاب اللہ (توریت) کی حفاظت کا عہد لیا گیا تھا اور وہ اس توریت پر گواہ تھے۔ اِس آیت میں ان الرسل کو النبیّون کہا گیا ہے۔ گویا یہ تابع توریت نبی تھے۔

سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۸۸ بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ شارع رسول تھے، صاحبِ شریعت تھے۔ آپؑ کی وفات کے بعد آپؑ کے خلفاء بارہ سو سال تک بارہ نقیب ہوئے جو تابع نبی اور رسول کہلاتے تھے۔ ان سب کے آخر میں خاتم الخلفاءؑ موسویہ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ ہوئے جو تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوئے۔ یہ بھی قَفَّيْنَا کے ماتحت حضرت موسیٰؑ کے تابع نبی اور شریعتِ توریت کے مطیع اور متبع رسول تھے۔ یہ سلسلۂ خلفاء موسویہ ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

سلسلۂ خلفاءِ محمدیہ

سورۂ مزمل کی آیت ۱۶۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل حضرت موسیٰؑ ثابت کرتی ہے اور لفظ كَمَآ اس کا ثبوت ہے

جس کا ترجمہ سورۃ احقاف کی آیت شَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ میں مِثْلِہٖ کیا گیا ہے۔ اور توریت استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں لفظ "مانند" وارد ہے۔ آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (سورہ نور آیت ۵۵) یہ خبر دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کے مومنین سے جو اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو روئے زمین میں خلافتِ محمدیہ کا وارث بنائے گا اور یہ خلفاء محمدیہ ان خلفاء موسویہ کے مانند ہونگے یا اُن کے مثیل ہوں گے جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں۔

استخلف الذین من قبلھم سے مراد وہی خلفاءِ موسویہ ہیں جن کا ذکر آیت وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ میں ہوا ہے۔ پس خلفاء اُمتِ محمدیہ ہر صدی کے سر پہ (جیسا کہ حدیث ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد) میں مذکور ہے) مبعوث ہوں گے۔ اُمتِ محمدیہ کا خلیفہ اوّل اُمتِ موسویہ کے خلیفہ اوّل کا مثیل ہے۔ خلیفہ دوم خلیفہ دوم کا۔ خلیفہ سوم خلیفہ سوم کا۔ خلیفہ چہارم خلیفہ چہارم کا۔ خلیفہ پنجم خلیفہ پنجم کا۔ خلیفہ ششم خلیفہ ششم کا۔ خلیفہ ہفتم خلیفہ ہفتم کا۔ خلیفہ ہشتم خلیفہ ہشتم کا۔ خلیفہ نہم خلیفہ نہم کا۔ خلیفہ دہم خلیفہ دہم کا۔ خلیفہ یازدہم خلیفہ یازدہم کا۔ خلیفہ دوازدہم خلیفہ دوازدہم کا۔ یہاں تک کہ اثنی عشر نقیباً کی مماثلت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد چودھویں صدی پر اُمتِ موسویہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم خلیفہ سیزدہم ہوئے ہیں۔ جو بقول علماء تمام فوت ہو چکے ہیں (دیکھو رسالہ طلوع اسلام ماہ اگست ۱۹۵۳ء صـــ) پس اُمتِ محمدیہ کا خلیفہ سیزدہم چودھویں صدی کے سر پہ حضرت (احمد) مثیل عیسیٰ بن مریم ہونا تھا اور ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کا مثل واقع ہوا ہے یہاں کسی نبی کا اصل ہو کر آنا خلافِ آیاتِ قرآنیہ ہے۔ چونکہ آغاز سلسلہ محمدیہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مثیلِ موسیٰ سے ہوا اور خلفاء محمدیہ خلفاء موسویہ کے مثیل ہونے تھے اور ہوئے تو اُمتِ محمدیہ کا آخری خلیفہ لازماً مثیلِ عیسیٰ ہونا تھا اور ہوا۔ اور اصل عیسیٰ جو فوت ہو چکا ہے اور جس کے ظہور کے منتظر ہمارے مخالف علماء خلافِ قرآن کریم بیٹھے ہوئے ہیں پس یہ نزول وظہور حضرت مثیل عیسیٰ کا اُمتِ محمدیہ میں قرآن کریم سے ثابت ہے اور احادیث نے اس کی وضاحت کی اور جس طرح سورۂ نور کی آیت استخلاف میں ایک طرف کَمَا میں مماثلت کی خبر دی تو دوسری طرف لفظ مِنْکُمْ نے اُن کے مسلمان اور اُمتِ محمدیہ میں ہونے کی خبر دی اور حدیث بخاری کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم میں امامکم کو منکم سے واضح کر دیا کہ وہ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہے اور بنی اسرائیل کا عیسیٰ جو رسولاً الی بنی اسرائیل تھا اُمتِ محمدیہ کا نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔

سورۂ احقاف کی آیت نے حضرت موسیٰ کو شَھِدَ شَاھِدٌ کہہ کر شاہد کا خطاب دیا اور سورۂ مزمل آیت ۷ میں حضرت مثیلِ موسیٰ کو شاھدٌ علیکم کہہ کر شاہد کا خطاب دیا۔ سورۂ ہود آیت ۱۸ خبر دیتی ہے کہ افمن کان علیٰ بیّنۃ من ربہ جس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یتلوہ شاھد منہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور شاہد من اللہ کی خبر دی ہے جو ہمارے نزدیک

حضرت احمدؑ قادیانی بھی ہے وہ بھی شاہد کا خطاب رکھتا ہے۔ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً میں حضرت موسیٰؑ کے شاہد ہونے کا ذکر آتا ہے۔

آیت یتلوہ شاھدٌ منہ میں لفظ یتلو اس شاہد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع، خلیفہ اور جانشین ثابت کرتا ہے اور منہ کا لفظ اس کو ایک طرف من اللہ ثابت کرتا ہے دوسری طرف اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزا اور روحانی فرزند بتاتا ہے۔ اور جس طرح چودھویں کا چاند اپنے سورج کا عکس ہے اسی طرح آنے والا شاہد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس اور بروز ہوگا۔ یہ تمام کیفیت امام راغب نے اپنی مفردات میں لفظ تلی۔ یتلو کے ماتحت بالتشریح بیان فرمائی ہے۔

مثیل ہونے کا ثبوت

بعض کافر مثیل امراۃ نوح اور امراۃ لوط ہیں:۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

(سورۃ التحریم آیت ۱۰)

یعنی کافروں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیبیوں کا مثیل قرار دیا ہے وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں مگر وہ اُن کی نافرمان ثابت ہوئیں۔ پس اُن کو پاک شوہروں کی زوجیت نے کوئی فائدہ نہ دیا اور دُوں کو آگ میں داخل ہونے کا حکم مل گیا۔ یعنی بعض کفار نیکوں سے رشتہ رکھتے ہیں مگر جب تک ایمان اور اعمال درست نہ ہوں یہ رشتہ کوئی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔

بعض مومن مثیل امراۃ فرعون اور مثیل مریم ہیں:۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝ (سورۃ التحریم آیت ۱۱-۱۲)

یعنی بعض مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے مثیل زوجہ فرعون اور بعض کو مثیل مریم بنت عمران قرار دیا ہے۔ زوجہ فرعون نے فرعون کے ماتحت ہو کر کہا کہ اے میرے رب میرے واسطے اپنے پاس جنت میں مکان عطا کر اور مجھے فرعون اور اُس کے اعمال بد سے نجات دے اور اس ظالم قوم سے دُور رکھ۔ گویا کافر کے گھر میں مومنہ ہو کر قائم رہی۔ مریم دختر عمران وہ پاک عورت ہے جس نے اپنے تمام سوراخوں کی حفاظت کی۔ ہم نے اس مثیل مریم میں اپنی پاک روح داخل کی وہ اپنے رب کے کلام اور اس کی کتب کی تصدیق کرتی رہی اور وہ عاجزی کرنے والی تھی۔ گویا بعض حضرت مریمؑ کی طرح خود بھی پاک ہوتے ہیں۔ پاک لوگوں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مثیلِ مریم میں اپنی رُوح داخل کرتا ہے اور وہ مثیل عیسیٰ بن مریمؑ ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت احمدؑ قادیانی فرماتے ہیں کہ جب میں خدا کے

۵ الفرقان - فاضل مضمون نگار نے فیہ کی ضمیر کا مرجع لفظ مثلاً کو قرار دیکر یہ ترجمہ کیا ہے۔ عام تراجم میں مرجع لفظ فرج کو قرار دیا جاتا ہے۔

نزدیک مثیل مریم مومن ثابت ہوا تو اُس نے اپنی رُوح میرے اندر پھونکی جس سے میں مثیل مریم سے مثیل ابن مریم ہو گیا۔ الفاظ نَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوْحِنَا میں چونکہ مثیل مریم مرد مومن ہوتا ہے اس واسطے وہی مردِ مومن ترقی پا کر مثیل ابن مریم بن گیا۔

حدیث بخاری کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم میں یہی ابن مریم مراد ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ ناصریؑ۔ اور الفاظ امامکم منکم اس کی وضاحت کرتا ہے۔

محترم علامہ تمنّا صاحب غلط راستہ پر قدم زن ہو کر سچائی کی تلاش میں مصروف ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال۔ نفس حدیث کے مضمون پر غور کرو نہ یہ کہ من قال کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاؤ۔

علامہ تمنّا صاحب کو تو صرف یہ خوشی ہے کہ ایک احمدی کو شکست دی جائے نہ یہ کہ حق کیا ہے۔ محترم تمنّا صاحب نے تحریر فرمایا کہ ہمارے ملک میں ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام اور وحی اس کو اطلاع دی ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کے اندر موعود عیسیٰ تم ہو (مفہوم) اور ان احادیث کی بناء پر یہ دعویٰ کیا ہے ان احادیث کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محض بے بنیاد ہیں۔ پس حضرت احمد قادیانیؑ کا دعویٰ بناء الباطل علی الباطل ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ علامہ تمنّا صاحب نے محض سُنی سُنائی باتوں پر اس قدر تکلیف فرمائی ورنہ اگر وہ حقیقتِ حال سے واقف ہوتے تو ہرگز اس قدر سردرد گوارہ نہ فرماتے۔ پس میں ان کے مزید علم کی غرض سے تحریر کرتا ہوں کہ سیدنا حضرت احمد علیہ السلام قادیانی جو اُن کے ہم وطن ہونے کے باعث ان کے نزدیک اس قابل نہیں کہ خدا تعالیٰ اُن کو شرفِ پسندیدگی عطا کرے اور اُن سے ہم کلام ہو اور اُن کو اصلاحِ خلق اللہ کے واسطے مبعوث فرمائے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم میں، عنایات میں آزاد اور خود مختار ہے اور لوگوں کے خود ساختہ قواعد و قوانین کا پابند نہیں۔ نہ کوئی قرآن کریم کا مومن يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ کہہ سکتا ہے خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں آزاد اور مختار ہے بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ۔ يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ اُس نے حضرت احمد کو اپنی وحی اور الہام سے مبعوث فرمایا ہے اور ہر نبی اور رسول کے دعویٰ کی بنیاد اس کی وحی ہوتی ہے یعنی خدا کا کلام ہوتا ہے۔ پس حضرت احمدؑ فرماتے ہیں:۔

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے دعویٰ کی بنیاد اوّل قرآن کریم پر ہے اور پھر میری وحی پر۔ میرے دعویٰ کی بنیاد ہرگز حدیث پر نہیں ..... ہم احادیث کو صرف بطور تائید دعویٰ پیش کرتے ہیں۔" (اعجاز احمدی ص۳۰)

احادیث کا مرتبہ صرف ظن کا ہے خواہ وہ احادیث صحیح بخاری کی ہوں یا صحیح مسلم کی اور نبی کے دعویٰ کی بنیاد ظن نہیں بلکہ یقین ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

حضرت احمد علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کی تائید میں صرف کتاب اللہ قرآن کو پیش کیا ہے۔ (دیکھو ان کی کتاب شہادۃ القرآن علیٰ نزول المسیح فی آخر الزمان)

سُنّت اللہ تبدیل نہیں ہوتی

قرآن کریم یعنی کلام اللہ میں سُنّت اللہ یہی مذکور ہے کہ اصلاح خلق اللہ ہمیشہ سے نبی اور رسول کرتے آئے ہیں۔ اور یہ سُنّت اللہ تاقیامت جاری اور ساری ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

قرآن کریم میں ہرگز ہرگز ایک حرف تک مذکور نہیں کہ

(۱) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت تکلّم باطل ہوگئی ہے اور خدا تعالیٰ آئندہ کسی سے ہمکلام نہ ہوگا خواہ وہ اُمّتِ محمدیہ کا ہی کوئی فرد ہو۔ بلکہ سلسلۂ کلام کو تاقیامت باقی فرمایا ہے مگر اس کے واسطے ایمان صحیح اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ نے ہرگز ہرگز نہیں فرمایا کہ حضرت محمدؐ خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ ہوگا بلکہ ان کے ہونے کا سلسلہ بدستور رہے گا صرف آنے والے کے واسطے ایمان باللہ اور اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرط ہے۔

بابِ نبوّت و وحی مفتوح ہے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ اور رسولوں کی بعثت۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اور يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (سورہ اعراف) گواہ ہیں۔ یاد رہے کہ محترم تمنا صاحب بھی بنی آدم میں داخل ہیں۔

وحی و نبوّت کے واسطے اتباعِ محمد رسول اللہ شرط ہے

ہاں یہ نبی اور رسول اُمّتِ محمدیہ میں خلفاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...... الخ میں لفظ مِنْكُمْ پر غور کریں۔

صحیح بخاری کی حدیث کہ اُمّتِ موسویہ میں کلما ھلک نبیٌّ خلفہ نبیٌّ وسیکون بعدی خلفاء کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اُمّتِ موسویہ کی اصلاح کے واسطے نبی کی وفات کے بعد نبی مبعوث ہوتا تھا جو مقامِ نبوّت اتباعِ موسیٰؑ سے نہیں بلکہ براہِ راست حاصل کرتا تھا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ نبی ہوں گے جو حضرت خاتم النبیین کی اطاعت اور اتباع سے اُمّتی ہو کر نبی اور رسول ہوں گے کوئی غیر مسلم نبی نہ ہوسکیگا۔

بابِ نبوّت کو مسدود کہنا خلافِ قرآن ہے

ہاں قرآن کریم نے بعض مخالفین حق کا عقیدہ یہ بتایا ہے کہ وہ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا اور لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اور يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کہکر حضرت یوسف اور حضرت موسیٰؑ پر انقطاعِ وحی اور نبوّت کے قائل تھے۔ اور مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا کہ وہ کہیں یہ عقیدہ اختیار کر کے غلط راہ پر چل کر ......

.... ہر رسول کا جو حضرت مثیل موسیٰؑ کے بعد آئے منکر نہ بن جایا کریں۔ اور لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ میں نصیحت

موجود ہے۔

عالم اپنے خیال سے علم قرآن کا اظہار کرتا ہے

اگر قرآن کریم کے واسطے صرف علماء کا وجود کافی سمجھا جائے جیسا کہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی، سید ابو الاعلیٰ مودودی اور مولوی پرویز صاحب ہیں تو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے علماء اور فریسی کیوں انکار رسول پر قابلِ ملامت ہیں؟ کیوں ان کو مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ کہا گیا؟

خدا کے کلام کا صحیح علم خدا کے شاگردوں کو حاصل ہوتا ہے

قرآن کریم کا بامیک علم و عرفان خدا کے شاگرد کو حاصل ہوتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اور عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ خدائی باتوں کو خدا کا نبی اور رسول سمجھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

ہر مدعیٔ نبوت کو مفتری قرار دینا

آپ اپنے نفسانی جوش کے ماتحت خدا کے نبی اور رسول کو مفتری علی اللہ، مجنون اور مسحور کہہ کر حق بجانب نہیں ہو سکتے یہ صرف اپنے دل کا غبار نکالنا ہے۔ مجنون اور مسحور، مدلل اور معقول کلام اور نکاتِ معرفت بیان نہیں کر سکتا اور نہ مفتری علی اللہ خدا پر تقوّل اور افترا کر کے سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت تئیس ۲۳ سالہ زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ ورنہ آپ کوئی مفتری علی اللہ پیش کریں کہ اُس نے دعویٔ نبوت یا وحی کیا ہوا ور وہ مسلسل مدعی رہا ہو اور تئیس سال اس دعویٰ میں گذار کر کامیاب ہو کر مرا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اس کو بوجہ افترا علی اللہ ہلاک نہ کر دیا ہو۔ یہ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔

حضرت احمد مفتری علی اللہ نہ تھے

حضرت احمد علیہ السلام زمانہ دعویٰ وحی و الہام سے جو چالیس سال کی عمر میں قریباً ۱۲۹۰ھ میں کیا اور ۱۳۲۶ھ تک ۳۶ سال زندہ رہ کر ایک کامیاب جماعت چھوڑ کر فوت ہوئے اور عربی زبان میں فصیح و بلیغ کتب تحریر کر کے وفات پائی اور کوئی عرب یا عجم اُن کے جواب پر قادر نہ ہو سکا۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ بہتوں نے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ کہا مگر عملاً کر نہ سکے۔ یہ محض خدائی تصرف تھا۔

بعض مُلّاؤں نے عربی کتب پر اسی طرح نکتہ چینی کی جس طرح پادریوں نے قرآن کریم پر کی ہے۔ دیکھو ینابیع القرآن گواہ ہے مگر کیا اس سے قرآن کریم کا مطالبہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ پورا ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت احمدؑ اپنے بعد ایک قابلِ رشک فعّال جماعت چھوڑ گئے جو ہر سال لاکھوں روپے خدمت دین، اشاعتِ قرآن اور تبلیغِ اسلام کے واسطے خرچ کرتی ہے اور خوشی محسوس کرتی ہے۔ کیا ایسی جماعت کی کوئی نظیر مسلمانوں میں ہے؟

> **ضروری اعلان**
>
> نیوز پرنٹ کا کوٹہ ملنے کی وجہ سے آئندہ رسالہ کے صفحات کی تعداد اور حجم میں اضافہ ہو جائے گا — انشاء اللہ۔ (مینجر)

مکیدہ" فرعونیہ" دبرہا فاروق مصر فی الخفاءِ

حقیقه" فتوی المفتی المصری ضدالوزیر ظفراللہ خان

ألف الاستاذ احمد بهاءالدین المصری کتاباً و سماه (فاروق ملکا) وقد ذکر فی الکتاب الاسباب والدواعی التی دعت الشعب المصری الی عزل (الملک) فاروق و طرده خارج مصر و قال فی خاتمه" البیان ما نصه :—

"و کانت آخر ماسیه مع دوله" الباکستان و وزیر خارجیتها ظفراللہ خان ـ والسید ظفراللہ خان معروف بجرأته و صراحته، و تد کان ماراً بالقاهرة فی طریقه الی بلاده (تشرف) بمقابله" الملک وکان الرجل قدعاش فی الخارج زمنا طویلا، وقرأمن فضائح فاروق و مهازله ما یسئی الیه والی مصر والی بلادالشرق کلها وقال الرجل لفاروق بلباقه" مؤلمه": ان بلادالعالم الاسلامی محطأنظارالعالم اجمع و ان اعداءها الکثیرین یتربصون بها و یحصون علیها الأخطاء و ان هذا الموقف یلزم رؤساءالدول الاسلامیه" بأن یرا عوا فی سلوکهم تقالیدالاسلام وأن یتمسکوا بقواعده وأن تکون حیاتهم المستقیمه" قدوة لشعوبهم ودعایه" أمام العالم اجمع

وفهم فاروق المقصود فنهض واقفا..... وانهی المقابله"... . و کتم الملک السابق غیظه و نقمته علی الوزیرالصریح .... و بات یتربص به و یتربص معه الشیخ مخلوف مفتی الدیارالمصریه" أو بالاحری مفتی القصورالملکیه"

و انتهز الشیخ مخلوف الفرصه" ، و أدلی بحدیث عجیب : قال فیه ان ظفراللہ خان من طائفه" القادیانیه" وهی مله" کافرة و لم یقف عند ذلک حتی یبقی غرض الحدیث مستورا بل استطر دیقول : ان علی حکومه" الباکستان و هی حکومه" اسلامیه" أن تطرد من وزارة خارجیتها هذا الوزیر الکافر!

و هکذا رد علی قول ظفراللہ خان انه لایجب أن یبقی علی رأس دولة اسلامیه" ملک فاسق !!

و ثارت الصحف فی مصر و الباکستان تحمل علی المفتی المدفوع و أقسم الهلالی وکان رئیسا للوزارة لیعزلنه من منصبه جزاء رعونته و لکن الهلالی لم یلبث أن تبین الامر و عرف أن الملک لا یقبل أبدا أن تمس شعرة من رأس مخلوف. هذه الرأس التی تخرج له الفتا و‌ی والتحلیلات !!) صفحه ۲۷۲-۲۷۳

ملاحظه" : ان الاستاد احمد بهاء الدین کاتب شهیر من کتاب مصر و ان کتابه (فاروق ملکا) نشرته ادارة مجله" "روزالیوسف" الغراءالتی تصدر فی القاهرة و طبع الکتاب فی اواخر سنه" ۱۹۵۲

ترجمہ—"شاہ فاروق کی آخری برائی حکومت پاکستان اور پاکستان کے وزیر خارجہ ظفراللہ خان کے ساتھ تھی ۔ واقعہ یوں ہؤا کہ جناب چودھری ظفراللہ خان ایک دفعہ پاکستان واپس جاتے ہوئے قاہرہ سے گزرے ۔ چودھری صاحب موصوف اپنی جرأت اور دلیری میں مشہور ہیں ۔ قاہرہ میں انہیں شاہ فاروق سے ملنے کا اتفاق ہؤا ۔ چودھری صاحب نے بیرونی دنیا میں لمبا عرصہ گزارہ ہے ۔ اور انہیں فاروق کی ان بد عنوانیوں اور فضولیات کے پڑھنے کا اکثر موقع ملا ہے جو خود شاہ فاروق،

ملک مصر، اور تمام مشرقی ممالک کے لئے بدنامی اور رسوائی کا موجب ہیں ۔ چنانچہ چودھری صاحب نے درد مندانہ سلیقہ کے ساتھ شاہ سے کہا کہ "ساری دنیا کی نظریں عالم اسلام پر ہیں ۔ اسلامی ملکوں کے بے شمار دشمن انکی تاک میں ہیں انکی لغزشوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ انحالات میں مسلم حکومتوں کے سربراہوں اور حکمرانوں کا اولین فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو اختیار کریں ۔ اور اسکے قانون کی پابندی کریں ۔ تاکہ انکی اعلی اور عمدہ زندگی انکے اهل ملک کے لئے نمونہ ہو اور تمام دنیا کے سامنے اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنے" شاہ فاروق سمجھ گیا ۔ کہ چودھری صاحب کی کیا مراد ہے ۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا ۔ اور ملاقات ختم کردی ۔ فاروق نے وزیر خارجہ پاکستان کی اس جرأت پر اپنے غیظ و غضب کو چھپایا ۔ اور موقعہ کی تلاش میں رہا ۔ اور ساتھ ہی شیخ مخلوف موقعہ ڈھونڈتے رہے ۔ جو کہ مفتی الدیارالمصریۃ کی بجائے صحیح طور پر شاہی محلات کے مفتی کہلانے کے مستحق تھے ۔

آخر شیخ مخلوف نے موقعہ پاکر اس سے فائدہ اٹھایا اور ایک عجیب بیان شائع کردیا ۔ کہ ظفراللہ خان قادیانی ہے ۔ اور یہ لوگ کافر ہیں ۔ شیخ مذکور نے اسی پر بس نہ کی تاکہ اسکے بیان کے مقصد پر کچھ تو پردہ پڑا رہتا ۔ بلکہ اسنے آگے چلکر یہ بھی کہ دیا کہ حکومت پاکستان چونکہ اسلامی حکومت ہے اسلئے اسکا فرض ہے کہ اس کافر وزیر کو اپنی وزارت خارجہ سے نکال دے کیونکہ اسلامی سلطنت میں کافر وزیر کا باقی رہنا مناسب نہیں ۔ گویا اسطرح یہ کہکر شیخ مخلوف نے چودھری ظفراللہ خان کے اس قول کا جواب دیا کہ اسلامی سلطنت میں بدکار بادشاہ کی کوئی جگہ نہیں ۔

شیخ مخلوف (جنہیں آلہ کار بنایا گیا تھا) کے بیان پر مصر کے اور پاکستان کے اخبارات نے تردیدی حملے کئے اور اسکی تغلیط کی ۔ ہلالی پاشانے جو ان دنوں مصر کے وزیر اعظم تھے قسم کھائی کہ شیخ مخلوف کی اس حماقت اور رعونت کی وجہ سے میں اسے عہدہ افتاء سے معزول کردونگا لیکن انکو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ سابق شاہ مصر فاروق تو شیخ مخلوف کے سر کا بال بیکا نہ ہونے دیگا ۔ کیونکہ یہی سر بادشاہ کے لئے حسب منشا فتوے اور جواز پیدا کرتا رہتا ہے ۔

(نوٹ) یہ اقتباس مصر کے مشہور مصنف احمد بہاءالدین کی کتاب (فاروق ملکا) سے لیا گیا ہے یہ کتاب مشہور رسالہ "روزالیوسف" القاہرہ کے مکتبہ نے اواخر ۱۹۵۲ میں شائع کی ہے ۔

سالانہ چندہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنہ



طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں طبع کراکر دفتر الفرقان احمدنگر (ربوہ) سے شائع کیا